TIGHT BINDING BOOK

UNIVERSAL
LIBRARY
OU_222438
UNIVERSAL
LIBRARY

پریت کے گیت

الطاف مشہدی

پبلشرز

لاجپت رائے اینڈ سنز تاجران کتب لاہور

قیمت ۸؍ عہ

احمد حسین سہیل رقم۔ لاہور

١١٣٦١

تج

٥٥ ف

محبت زندگی ہے ۔ اور محبت کے نغمے زندگی
کا شباب

آپ محبت کی خوشبو میں بسا ہوا کوئی نغمہ
الاپیں ۔ جوانی آپ کی رگوں میں بانسری بجانے
لگے گی

گیلانی الیکٹرک پریس ہسپتال روڈ لاہور میں باہتمام ضمیر احمد خان پرنٹر چھپی
اور مسٹر سوم پرکاش پبلشر نے لوہاری دروازہ لاہور سے شایع کی۔

انتساب

نواب غازی مدظلہ
والئے گوردھا سٹیٹ کے نام

جون ۱۹۷۱ء

الطاف

مقدّمہ

از حضرت مولانا بزمی انصاری بی۔ اے مدیر روزنامہ زمیندار لاہور

نظامی عروضی صاحب چہار مقالہ کے نزدیک وہ شخص شاعر باکمال کہلانے کا مستحق ہے۔ جس کی ذات میں مندرجہ ذیل خوبیاں پائی جائیں سلیم الفطرت اور عظیم الفکر ہو۔ صحیح الطبع اور جید الرویہ ہو۔ دقتِ نظر کے علاوہ اپنی زبان پر کامل عبور رکھتا ہو۔ اس کا لکھا ہوا شعر مطبوع و مقبولِ خلائق ہو جائے۔ کلام میں حقیقت نمایاں ہو تصنع نہ ہو۔ جن شعرا میں نظامی کی شمار کردہ خوبیاں پائی جائیں۔ وہ یقیناً زندہ جاوید ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہیں بقائے دوام اور قبولِ عام کا تمغہ ملتا ہے ؎

قیس کا مرتبہ ملتا ہے کسی ایک ہی کو
یوں تو ہر شخص ہے گرویدۂ لیلائے سخن!

مدتیں گزر گئیں۔ صدیاں بیت گئیں۔ لیکن میر تقی میر۔ سودا۔ غالب۔ آتش۔ درد۔ ذوق۔ ناسخ۔ تاباں اور دوسرے صاحب کمال شعراء کا لگایا ہوا چمن آج بھی لہلہا رہا ہے۔ نہ اس کی تر و تازگی میں فرق آیا ہے۔ نہ حوادثاتِ زمانہ اسے کچھ نقصان پہنچا سکے ہیں۔ لوگ ان کے دیوانوں کو پڑھتے اور محظوظ ہوتے ہیں۔ اس قبولِ عام کا راز یہ ہے۔ کہ ان بزرگوں کے کلام میں حقیقت جھلکتی ہوئی نظر آتی ہے۔ جو کچھ وہ لکھتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اپنے نہیں۔ بلکہ

پڑھنے والے کے جذبات کی عکاسی کر رہے ہیں حسن و عشق ۔ ہجر ۔ وصل ۔ کیف و نشاط ۔ غم و اندوہ ۔ سرخوشی و سرمستی کی ایسی جیتی جاگتی تصویریں کھینچی ہیں ۔ کہ بے اختیار زبان سے کلماتِ تحسین و آفریں نکل جاتے ہیں جن واقعات کی نقشہ کشی کی ہے ۔ وہ وہی واقعات ہیں ۔ جو روزانہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں افسانوی واقعات نہیں ۔ جنوں ۔ بھوتوں کی کہانیاں نہیں ۔ بلکہ وہ واردات بیان کی ہے جو خود ان کے دل پر گزری اور جو ایک عالم کو خوش کر گئی ۔ یا درد سے تڑپتا ہوا چھوڑ گئی ۔

شعر اور عشق میں چولی دامن کا ساتھ ہے ۔ میرے نزدیک وہ شاعر اصلی معنوں میں شاعر کہلانے کا مستحق ہی نہیں جس نے کبھی محبت کے گیت نہیں گائے جس نے ہجر و فراق کی دردناک داستان بیان نہیں کی جس کے خامۂ گلفشاں نے وصل و اختلاط کے مناظر کو بہار آفریں نہیں بنایا ۔ محبت شعر ہے اور شعر نغمہ ۔ حضرت الطاف مشہدی جن کی شہرت کی بنیاد ان نظموں پر قائم ہوئی ۔ جو وطن کی محبت ۔ مزدور کی آہوں ۔ بیواؤں اور یتیموں کی دلدوز چیخوں اور سرمایہ داری کے جنون کی آئینہ دار ہیں ۔ وہ نوجوان ہیں ۔ اور ہر نوجوان کے پہلو میں محبت بھرا دل ہوتا ہے ۔ وہ شاعر ہیں ۔ بلند پایہ شاعر محبت کی زبان کو سمجھتے ہیں محبت کی تان کو سمجھتے ہیں ۔ ان کے دل پر جو گزرتی ہے ۔ اسے دلنشیں موثر اور سحر آگیں انداز میں بیان کرنا جانتے ہیں ۔ وہ لوگ جو الطاف مشہدی کو ایک وطن پرست اور سرمایہ داری کا دشمن شاعر خیال کرتے ہیں ۔ یقیناً اس مجموعہ کو دیکھ کر حیران ہو جائیں گے لیکن انہیں اس حقیقت کو نہ بھولنا چاہیئے ۔ کہ شعر کا خمیر محبت سے اٹھایا گیا ہے ۔ اور محبت وہ جذبہ ہے ۔ جو عالم آب و گل کو محیط ہے ۔ وطن کی محبت کے پہلو بہ پہلو "کسی" کی محبت بھی شاعر کے دل میں جگہ پا سکتی ہے ۔ مزدور

کے حالِ زار پر آنسو بہانے والا اپنے حالِ زار پر بھی پھوٹ پھوٹ کر رو سکتا ہے بیوہ کی چیخوں اور فریادوں سے متاثر ہونے والا کسی سنگدل کے سامنے فریاد کناں ہو سکتا ہے یتیموں کی یتیمی کا ماتم کرنے والا اپنی آرزوں اور حسرتوں کی یتیمی کا بھی نوحہ خواں ہو سکتا ہے۔ اس کے قلبِ حزیں میں اگر وطنیت کی لہریں اٹھ سکتی ہیں۔ تو اسی دلِ ناشاد میں محبت کا سمندر بھی ٹھاٹھیں مار سکتا ہے "پریت کے گیت" میں آپ کو حسن و عشق کے وہ دلفریب مناظر ملیں گے جن سے متاثر ہوئے بغیر آپ نہیں رہ سکتے۔

سلاست اور روانی الطاف کو قدرت سے عطا ہوئی ہے۔ بیساختہ پن اور جذبات نگاری ان کے اسلوب کی شان ہے۔ وہ دور از کار تشبیہوں استعاروں انوکھی اور عجیب ترکیبوں سے پرہیز کرتے ہیں۔ جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے۔ اسے سلیس زبان اور دلنشیں انداز میں بیان کر جاتے ہیں۔ اور یہی ان کے معراجِ شاعری کا ثبوت ہے۔ میں گیتوں کے وزن اور ساخت پر بحث نہیں کرنا چاہتا اور نہ ہی یہ بتانا چاہتا ہوں۔ کہ گیت کس طرح لکھے جاتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کہونگا۔ کہ گیتوں کے لئے نغمہ۔ ترنم اور روانی کا ہونا ضروری ہے۔ اور یہ تینوں چیزیں الطاف کے کلام میں فراوانی کے ساتھ پائی جاتی ہیں۔ وہ صرف عربی اور فارسی سے آشنا ہی نہیں۔ بلکہ ہندی میں بھی پوری دسترس رکھتے ہیں۔ اور اس میدان میں بھی شبدیزِ قلم کی وہ وہ جولانیاں دکھاتی ہیں۔ کہ پڑھنے والا بے اختیار عش عش کر اٹھتا ہے۔

اب آیئے ذرا ایک نظر ان گیتوں۔ غزلوں اور نظموں پر بھی ڈال لیں جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ پہلا گیت ہی وجد آفریں ہے۔ سنئے اور سر دھنئے۔ ؎

بادل گرجے رین اندھیری   نیا ہے منجدھار میں میری

آشا من میں ڈول رہی ہے چنتا آنکھیں کھول رہی ہے
جھونکے گاتے ہیں ملہار
نیا موری کر دو پار
کھیون ہار

"چنتا آنکھیں کھول رہی ہے" اِس مصرع کی داد نہ دینا ظلم ہوگا۔ اور "جھونکے گاتے ہیں ملہار" کتنا پیارا اور دلکش مصرع ہے۔

پھر کہتے ہیں:۔

طوفان بڑھتا ہی جاتا ہے دریا چڑھتا ہی جاتا ہے!
کوئی نہیں ہے دکھیاری کا کون بنے برہا ماری کا!
آجاؤ بن کھیون ہار
نیا موری کر دو پار
کھیون ہار
پریم کا چپو لے کر آؤ پریم کا میٹھا گانا گاؤ
دُکھ کا طوفان اور میں ناری دیکھ رہا ہے راہ تمہاری
آشاؤں کا اک سنسار
نیا موری کر دو پار
کھیون ہار

"آشاؤں کا اک سنسار" کتنا سحر طراز مصرع ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایک زمانے کی آرزوئیں سمٹ کر اس مصرع میں سما گئی ہیں جب کوئی مغنیہ اِس مصرع کو پرسوز لے میں گاتی ہو گی۔ تو سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ نہ گزرتی ہو گی۔ ایسا جی میں آتا ہے۔ کہ بار بار اسی مصرع کو دہراتے

رہیے۔

"پریم کا ناتا توڑ گئے وہ" جس خوبی سے ہجر اور بے وفائی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اس کی داد نہیں دی سکتی۔ یہ یاد رہے یہ سب گیت ہیں۔ اور نغمہ شعر کی موسیقیت کو دہ چند کرنے کے علاوہ ہر مصرع اور بول میں بجلیاں بھر دیتا ہے۔ اور سننے والا ترنم و آہنگ کے ایک بحرِ ناپیدا کنار میں غرق ہو جاتا ہے۔

ایک اور وجد آفریں گیت سنئے۔ اگر آپ کی روح رقص نہ کرنے لگے۔ تو ہمارا ذمہ ہے

راوی پار بسیرا پی کا!
راوی پار بسیرا
رین سمے میں کیسے جاؤں　　من باشی کے درشن پاؤں
بجلی چمکے بادل برسے　　من سینے میں رو رو ترسے
چاروں اور اندھیرا
راوی پار بسیرا
پی کا
راوی پار بسیرا
پریم ہے پی کی ہر اک شے میں　　پریم کا دریا پی کی لے میں
پریم کا بستر پریم سرہانہ　　پریم ہی رونا پریم ہی گانا
پریم ہی شام سویرا
راوی پار بسیرا
پی کا

راوی پار بسیرا

پریم اور محبت کی جو تعریف اس بند میں کی گئی ہے۔ وہ کسی اور شاعر کے ہاں مشکل سے ملے گی۔ جن دلوں نے محبت کی رسیلی تانیں اڑائی ہیں۔ وہ خوب جانتے ہیں۔ کہ پریم ہی بستر۔ پریم ہی سرہانہ۔ پریم ہی رونا۔ پریم ہی گانا۔ پریم ہی شام سویرا۔ کتنا صحیح اور واقعیت سے پُر ہے۔ مجھے یہ کہنے میں باک نہیں۔ کہ شاعر نے پریم کے ساگر کو نغمہ کے اس کوزہ میں بند کر دیا ہے ؛

آگے سنئے ؎

پی جب مستی میں گاتے ہیں — دکھ کے روگی سو جاتے ہیں
پلکیں اُن کی جھک جاتی ہیں — آہیں اُن کی رک جاتی ہیں

نیندیں ڈالیں گھیرا

راوی پار بسیرا

پی کا

راوی پار بسیرا

"پریم ہے اک بیماری" میں لطافت نے دل شکستہ کی ہتن تاروں کو چھیڑ دیا ہے۔ ان سے ایسے درد آفریں زمزمے پھوٹ نکلے ہیں۔ جو پڑھنے والوں کو ایک ایسی کیفیت میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ جس میں سرور و ملال کا امتزاج اِس خوبی سے کیا گیا ہے۔ کہ ایک کو دوسرے سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ اور یہ بھی شاعر کا ایک کمال ہے۔ جس پر قافیہ گو قادر نہیں ہو سکتا ؛

"مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر" میں ایک ایسی التجا پوشیدہ ہے۔ جو ایک مایوس محبت کے دل میں رہ رہ کر اٹھتی ہے۔ وہ چاہتا ہے۔ کہ محبوب سے اس کا اظہار کر دے۔ لیکن زبان کو یارائے گویائی نہیں رہتا۔ اور

بے اختیار شاعر کے قلم سے وہ التجا سراپا درد بن کر ٹپک پڑتی ہے۔ سنیئے اور کلیجہ تھام کر سنیئے ؎

ہوئی ہے عمر مسرت کی بھیک پا نہ سکا
ہزار چاہا بھی میں نے تو مسکرا نہ سکا

خرابِ عشق کو اتنا تو بیقرار نہ کر
میرے حبیب مجھے وقفِ اضطراب نہ کر

"کون بندھائے دھیر" ہندی گیتوں کا ایک بہت اچھا نمونہ ہے۔ ایسے شہ پاروں کو پورا نقل نہ کرنا شاعر کی عظمت کے ساتھ بے انصافی کرنے کے مترادف ہے ؎

کون بندھائے دھیر
پیا بن
کون بندھائے دھیر
پی دیکھن کو نین ترسیں ہونٹوں سے انگارے برسیں
پریم کا من میں تیر
کون بندھائے دھیر
پیا بن
کون بندھائے دھیر
قسمت اپنی پھوٹ گئی ہے آشا من کی ٹوٹ گئی ہے
آنکھ سے برسے نیر
کون بندھائے دھیر
پیا بن

کون بندھائے دھیر

پی آئیں اور آکر پوچھیں حال میرا مسکا کر پوچھیں

دکھلا دوں من چیر

کون بندھائے دھیر

پیا بن

کون بندھائے دھیر

دیس بدیس پیا کو ڈھونڈوں کھول کے کیس پیا کو ڈھونڈوں

گا کر رانجھا ہیر

کون بندھائے دھیر

پیا بن

کون بندھائے دھیر

آخری بند میں جوگن کا نام لئے بغیر جوگن کا پورا ذکر موجود ہے۔ "رانجھا ہیر" نے جو رومان اس بول میں بند کر دیا ہے۔ اس سے آپ اسی وقت محظوظ ہو سکتے ہیں۔ جب آپ نے "ہیر وارث شاہ" پڑھی ہو۔ الطاف نے یہ مصرع نہیں لکھا۔ بلکہ دلوں پر چھریاں اور کٹاریاں چلائی ہیں:

"کون کسی کا میت" آپ نے اکثر لوگوں کی زبان سے سنا ہوگا۔ مگر یہی الفاظ جب ایک درد بھرے اور چوٹ کھائے دل سے نکلتے ہیں۔ تو تیر و نشتر بن کر چبھتے ہیں اور روح کے پار ہو جاتے ہیں۔ اس وقت کون ایسا شخص ہوتا ہے۔ جو یہ الفاظ سنے اور دنیا اور اہل دنیا کی غداری اور بے وفائی کا مرثیہ نہ پڑھے۔ میں اِس دلآویز گیت کا صرف ایک بند نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں:۔

کون کسی کا میت ہے جگ میں
کون کسی کا میت
یہ دُنیا ہے پاپ کی نگری! جس کی ڈوری اُس کی گگری
ہار کے اس کو جیت
کون کسی کا میت ہے جگ میں
کون کسی کا ریت

اور اسی گیت کا یہ بند تو صاف بتا رہا ہے۔ یہ کسی سازِ شکستہ سے نکلے ہوئے غم آفریں نغمے ہیں۔ جو شری نار دمنی کے کاندھوں پر فضا میں پرواز کر رہے ہیں۔ دور اندھیری رات میں جب کسی سنسان جگہ سے اس قسم کے بول آپ کے کانوں میں پڑیں۔ تو یقین مانیئے۔ کہ آپ کی روح ایسی گہرائیوں سے دوچار ہو گی۔ جو اس سے قبل شاید آپ نے نہ دیکھی ہوں۔ یہی وہ مقام ہوتا ہے۔ کہ انسان بے خود ہو کر الاپ اُٹھتا ہے ؎

کون کسی کا میت ہے جگ میں
کون کسی کا میت
جیون نیّا کھینے والے من کو ڈھارس دینے والے
توڑ گئے ہیں پریت
کون کسی کا میت ہے جگ میں
کون کسی کا ریت

"دُنیا ایک تماشا" میں جس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہے۔ وہ اگرچہ نئی نہیں۔ لیکن اس لحاظ سے قابلِ غور ہے۔ کہ ایک نوجوان دل میں ایسے جذبات پیدا کیونکر ہوئے۔ کیا شعر و شباب سے بھرپور دل دنیا والوں سے جلد تنگ آ

گیا۔ کیا بیوفائی اور غداری نے اس کی روح پر ایسے چرکے لگائے ہیں۔ کہ وہ بے اختیار سعدی شیرازی کا ہمنوا ہو کر چلا اٹھا:۔

زسعدی ہمیں یک سخن یاد دار
منہ دل بریں دیر ناپائدار را!

الطاف مشہدی کہتا ہے:۔

دُنیا ایک تماشا
بابا
دُنیا ایک تماشا
اس دُنیا میں لوبھ کے بندے
جتنے لوبھی اتنے گندے!
زر کا لالچ پیٹ کے دھندے
دولت ان کی آشا
دُنیا ایک تماشا
بابا
دُنیا ایک تماشا

اِس میں کوئی شک نہیں۔ کہ بقول حضرت کیفی دہلوی۔ "جس طرح بوڑھوں کی زبان پر وصل واختلاط اور جذبہ اشتیاق کی باتیں نہیں پھبتیں۔ اسی طرح ایک جوان آدمی کے کلام میں پند ونصائح اور زہدِ خشک زیب نہیں دیتا۔" مگر اِس گیت کی لوچدار ساخت اور جس خوبصورت پیرایہ میں زراندوزی اور سرمایہ پرستی کی مذمت کی گئی ہے۔ وہ یقیناً قابلِ داد ہے۔ مانا کہ الطاف ایک نوجوان ہے مانا کہ اس کے دل میں اِس قسم کے خیالاتِ راسخ نہ ہونے چاہئیں۔ مانا کہ اسے شبابیات

کی صہبائے تیز و تند سے مخمور رہنا چاہیئے۔ لیکن وہی نظامی گنجوی کی تعریف لکھا لیئے اور پھر دیکھئے کہ ایک شاعر کا دل کیا کچھ ہوتا ہے۔ کیفی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ " پند و نصائح نوجوانوں کو زیب نہیں دیتے۔ لیکن پند و نصائح کا زیادہ اثر جبھی پڑے گا۔ جب وہ کسی نوجوان کی زبان سے نکل رہے ہوں۔ ورنہ جوان طبقہ سمجھتا ہے۔ کہ ان بڑے بوڑھوں کی عادت ہے۔ ساری عمر گنوا کے آخر میں موعظہ و پند کے دفتر کھول دیتے ہیں۔ اور جو کام خود کسی وجہ سے نہ کر سکے۔ اس سے باز رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔ اور جن کاموں کو خود بصد شوق کرتے تھے اور دوسروں کے منع کرنے پر بھی ان سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ اب وقتِ پیری کفِ افسوس مل رہے ہیں۔ دنیا کا ہنجار اور انسان کی فطرت کچھ اس قسم کی ہیں۔ کہ جب تک انسان یا کوئی انسان کسی کام کو خود کر کے نہیں دیکھ لیتا۔ وہ اس کے نفع و نقصان اور سود و زیاں سے واقف نہیں ہوتا۔ دنیا میں کتنے آدمی ہیں۔ جو یہ نہیں جانتے۔ کہ اگر انسان کو پیرنا نہ آتا ہو۔ تو گہرا پانی اسے ڈبو دے گا۔ لیکن روزانہ ہم دیکھتے ہیں کہ اسی بنی نوعِ انسان کے افراد ڈوبتے جاتے ہیں۔ اور جان سے ہاتھ دھو لیتے ہیں۔ درحالیکہ انہیں اس حقیقت کا بخوبی علم ہوتا ہے۔ کہ پانی کا خاصہ ہے۔ کہ وہ ہر ایسے شخص کو ڈبو دے گا۔ جو پیرنے سے واقف نہیں۔ اور ایک پیرنے پر ہی کیا موقوف ہے۔ پانی پیراکوں کی بھی جان لے لیتا ہے۔ اس تمام سمع خراشی کا مطلب یہ تھا۔ کہ میرے نزدیک وہ نصیحت جو ایک نوجوان کی زبان سے نکلے۔ اس نصیحت سے بدرجہا وزنی اور قابلِ اعتبار ہوتی ہے۔ جو بوڑھوں کی زبان سے نکلے۔ مشہور ہے۔ کہ پرہیزگاری اور تقویٰ اگر عالمِ شباب میں اختیار کئے جائیں۔ تو خوب ہیں۔ ورنہ پیری میں تو گرگِ باراں دیدہ بھی پرہیزگار بن جاتے ہیں۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ الطاف مشہدی کی زبان کوثر میں دھلی ہوئی ہے۔ وہ سچی اور حقیقی تصویریں پیش کرتا ہے۔ محاکات اور معاملہ بندی میں اس کا قلم مشاق شعراء سے لگّا کھاتا ہے۔ ایک نظم کا یہ بند ملاحظہ فرمایئے ؎

مجھے وہ یاد ہے پہلی۔ یہ جل چڑھانا ترا
وہ میرے پاؤں کی آہٹ سے چونک جانا ترا
اتر کے آنکھ کے رستے سے دل میں آنا ترا
اُسی ادا سے نگاہوں میں پھر سما بھی کہیں
اس اجڑے باغ میں بن کر بہار چھا بھی کہیں

اس بند کو پڑھ کر آپ تخیّل کی بھول بھلیاں میں نہیں پھنس سکتے۔ شاعر نے جو کہا ہے۔ وہ ایک گزرے ہوئے "حادثہ" کی سچی تصویر ہے۔ اور کیا عجب ہے۔ کہ ایسا ہی "حادثہ" زندگی میں کبھی آپ کو بھی پیش آیا ہو۔ یہی تو چیز ہے جو ایک فطری شاعر اور ایک غیر فطری شاعر میں مابہ الامتیاز ہوتی ہے۔ اسی کا نام عروض کی اصطلاح میں سہل ممتنع ہے۔ اس کو آپ پڑھ کر کہیں گے۔ کہ ایسا تو شاید میں بھی کہہ سکتا ہوں۔ لیکن جب آپ قلم اٹھائیں گے اور کہنا چاہیں گے۔ تو ایسا نہیں کہہ سکیں گے۔ ہاں اس سے بُرا یا بھلا شاید کہہ سکیں۔ اور سہل ممتنع بھی محاسنِ سخن میں سے ہے:

ایک اور بند کہا ہے۔ اور کیا خوب کہا ہے ؎

جو تو نہیں تو تری یاد کیوں ستاتی ہے!
اسے سنبھال یہ سوزِ دروں جگاتی ہے
ستم نصیب محبت کو خوں رلاتی ہے!
قدم خمارِ محبت میں ڈگمگا بھی کہیں!

اس اجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

کیا یہ واقعہ نہیں۔ کہ جب محبوب سے جدائی ہو جائے۔ راہِ محبت میں مشکلیں ڈیرہ ڈال دیں۔ مصائب پرے جمائے دو رویہ کھڑے ہوں۔ غم و اندوہ نے چھاؤنی چھائی ہو۔ حافظ شیرازی کے الفاظ میں کہ "عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکل ہا" کی تفسیر شعلے بن کر دہکتی ہوئی آنکھوں سے نکل رہی ہو۔ تو اس وقت ایک مایوس و ناکام دل یہ نہیں کہے گا۔ جو تو نہیں تو تری یاد کیوں ستاتی ہے۔ اور جب وہ اس حقیقت سے باخبر ہوتا ہے۔ کہ وہ نہیں آسکتے۔ نہیں مل سکتے۔ تو غم و غصہ کی حالت میں پکار اٹھتا ہے۔ اسے سنبھال یہ سوزِ دروں جگاتی ہے۔ الطاف تو سچ کہتا ہے۔ میں تیرے کلام پر ایمان لاتا ہوں۔ تو پیغمبر سخن ہے۔ آہ جن دلوں نے محبت کی ہے۔ اس مصرع کا حظ وہی اٹھا سکتے ہیں۔ اس سے اگلے مصرع میں وہ پھر اپنی مایوسی و حسرت کا نوحہ پڑھتا ہوا بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ ستم نصیب محبت کو خوں رلاتی ہے۔ خدا لگتی کہئے۔ کیا کچھ غلط کہا ہے۔ ٹوٹے ہوئے دل سے ایسے ہی دردانگیز نالے اٹھا کرتے ہیں ؀

"میں غم کا روگ لگا بیٹھی" کا پہلا بند آئینہ محبت کی ایسی منہ بولتی تصویر ہے کہ مصور کے ہاتھ چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔ لکھا ہے۔ ؎

پی اُس دن سے مشہور ہوئے مشہور ہوئے مغرور ہوئے
آنکھوں سے بھی مستور ہوئے مجھ دکھیا ری سے دور ہوئے
جب سے من ہیت سنا بیٹھی
میں غم کا روگ لگا بیٹھی

ملٹن "فردوس گم شدہ" کا زندہ جاوید مصنف شاعری میں تین چیزوں کا

کا طالب ہے یہ سادگی۔ جوش۔ اصلیت " الطاف مشہدی کا سارا کلام اک طرف اور یہ اکیلا بند ایک طرف۔ اس میں سادگی۔ جوش اور اصلیت تینوں چیزیں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ کس خوبی سے اظہارِ خیالات کیا ہے۔ انہیں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ وہ اتنے مشہور نہ تھے۔ لیکن جس دن میں نے ان سے یہ کہدیا۔ میں تم سے محبت کرتی ہوں۔ وہ تمام زمانہ میں مشہور ہوگئے۔ قیس و فرہاد کو کس جذبہ نے حیاتِ ابدی بخشی۔ رانجھا اور مہینوال کو کیا چیز زندہ جاوید کرگئی۔ آج ان غیر فانی ہستیوں کا نام بچہ بچہ کی زبان پر ہے۔ کوئی ہے۔ جو ان عشاقِ باوفا سے واقف نہیں۔ اور جب کسی شخص سے آپ یہ کہدیں۔ میں تمہیں چاہتا ہوں۔ بس پھر اس کے غرور و تمکنت کا اندازہ نہ لگائیے۔ وہ آپ سے بات تک کرنا گوارا نہ کریگا۔ اس فقرہ کے کہنے سے قبل خواہ آپ گھنٹوں اس سے محوِ تکلم رہیں ہنس ہنس کر باتیں کرتے رہیں طعن و تشنیع اور طنز و مزاح کی بارش کردیں۔ لیکن جہاں یہ معلوم ہوا۔ کہ آپ اسے چاہتے ہیں۔ وہ ہستی آپ کی ذات سے کچھ ایسی متنفر ہو جاتی ہے۔ گویا آپ کوئی بھوت پریت ہیں۔ کہ آپ کے سایہ تک سے ڈر لگتا ہے اور غرورِ حسن اس امر کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ کہ آپ سے وہ سیدھے منہ بات بھی کرے۔ آہ اتنی بڑی حقیقت کو الطاف نے کس سادگی سے بیان کردیا ہے :۔

پی اُس دن سے مشہور ہوئے مشہور ہوئے مغرور ہوئے
جب سے من بہت سنا بیٹھی

غم فراق کی ایک کیفیت بیان کرتے ہوئے تحریر کیا ہے :۔

پریتم جب سے پاس نہیں ہے
پھولوں میں بو باس نہیں ہے

جیون مجھ کو راس نہیں ہے
کون ہے جو پیتم کو لائے
ساجن ناہیں آئے
سہیلی برکھا بیتی جائے!

اس کا نام ہے شاعری۔ ایک ہجر زدہ کو تر و تازہ اور نکہت بیز پھول پژمردہ اور خالی از خوشبو معلوم ہوتے ہیں۔ زندگی اسے راس نہیں آتی۔ وہ مرنے کو جینے پر ترجیح دیتا ہے۔ اس کرب انگیز اور یاس آفریں حالت میں وہ پوچھتا ہے۔ کون ہے جو محبوب کو مجھ تک لائے۔ آہ ساجن نہیں آئے۔ اور برسات بھی بیت گئی۔ میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ آپ کو کبھی ایسے پر ہول مقامات سے گزرنا پڑا ہے۔ کہ نہیں۔ لیکن میں سچ عرض کرتا ہوں۔ کہ الطاف نے جو کچھ کہا وہ ہزاروں دلوں کی ترجمانی کرتا ہے۔ اسی کیفیت کو ذرا وضاحت سے۔ "پی بن جگ اندھیارا" میں بیان کیا ہے۔ سنیئے اور دل تھام کر سنیئے ؎

پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
مستی جس کے دم سے مستی روشن تھی ہر دے کی بستی
ڈوب گیا وہ تارہ
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا

سنگی ساتھی چھوڑ گئے سب اپنے بھی منہ موڑ گئے سب
دُکھ میں کون سہارا
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
تم بن ساجن جان چلی ہے آنکھوں سے بھی بہ نکلی ہے
خون کی تیکھی دھارا
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
پریم کا روگ لگے دشمن کو! آگ لگی ہے میرے تن کو
دل ہے پارہ پارہ
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا

پریم جہاں آبِ حیات ہے۔ وہاں زہرِ ہلاہل بھی ہے۔ محبت کی سختیاں جھیلنے کے لئے فولاد کا دل اور پتھر کا جگر چاہیئے۔ بقول امیر مینائی ؎

عشق بازی کی تمنا ہے تو سر پیدا کرا
دل جو پتھر کا تو لوہے کا جگر پیدا کرا

پریم کا کھیل بڑا خطرناک کھیل ہے۔ اِس کھیل میں سر دھڑ کی بازی لگ جاتی ہے۔ من کی جوت رہِ عشقِ حیات سے جگ جاتی ہے۔ انہی تکلیفوں اور

سختیوں کو بھگت کر شاعر کہتا ہے۔ کہ دشمن کو بھی خدا پریم کا روگ نہ لگائے۔ یہ بیماری غسم آخر کام تمام کر دیتی ہے۔ اس ایک بول میں جس قدر بلاغت بھر دی گئی ہے۔ اس کی داد نہیں دی جا سکتی۔ عام قاعدہ ہے۔ کہ جب کوئی واقعہ حد درجہ حزن انگیز اور ملال آفریں ہوتا ہے۔ تو لوگ کہتے ہیں۔ کہ خدا دشمن کو بھی یہ دن نہ دکھائے۔ جیسا کہ میر انیس فرماتے ہیں۔ ؎

خدا کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ!

بعض غم ایسے ہوتے ہیں۔ کہ ان کی تفصیل سن کر پتھر سے پتھر دل بھی موم ہو جاتے ہیں۔ اور اس وقت فطری ہمدردی اور دلسوزی سے متاثر ہو کر انسان کہہ اٹھتا ہے۔ کہ یہ چیز تو میرے دشمن کو بھی نصیب نہ ہو۔ اور پریم بھی ان غموں میں سے ایک غم ہے۔ جنہیں یہ غم لگ چکا ہے۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ شاعر نے کیا کچھ کہہ دیا ہے۔

"میرے حسین مسافر میں ساتھ آؤں گی" ایک نہایت جذبات آفریں اور حسین نظم ہے۔ اس کے اقتباسات پیش کرنا ساری نظم کے ساتھ ظلم کرنا ہے اسے پڑھیئے اور بار بار پڑھیئے۔

"آخر گور ٹھکانا" ایک عجیب عبرت انگیز گیت ہے۔ اسے پڑھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقش دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ یہ ان بھولے ہوئے انسانوں کے لئے ایک تازیانہ ہے۔ جو دن رات عیش و مسرت میں گزارتے ہیں۔ اور عمر ناپائدار پر تکیہ کئے ہوئے یہ سمجھ رہے ہیں۔ گویا قیامت تک کا پٹہ لکھا کر آئے ہیں کاش غافل انسان اپنے انجام سے باخبر ہوتا۔ ؎

مباش ایمن از بازیئے روزگار
منہ دل برین دہر ناپائدار!

"بہار موسم سرما مجھے خراب نہ کر" ایک بہت اچھی نظم ہے۔ اس سے زیادہ کچھ کہنا نظم کی توقیر کو کم کرنا ہے:

ذرا اس نظم کی رنگینی اور دلکشی کو دیکھئے:۔ ؎

جب رات کی دیوی بستر سے اُٹھ کر انگڑائی لیتی ہے!
آکاش کے ساگر میں قدرت جب چاند کی کشتی کھیتی ہے
فطرت جب نیند کی پریوں کے شانوں کو جنبش دیتی ہے
اس وقت کنارِ راوی پر اک دلکش منظر ہوتا ہے

ساون کے رنگیں موسم میں بدمست گھٹائیں جھومتی ہیں
جب حسن کی حسرت میں نظریں راوی کے کنارے گھومتی ہیں
اور گورے گورے اعضا کو لہروں میں چھپ کر چومتی ہیں!
اُس وقت کنارِ راوی پر اک دلکش منظر ہوتا ہے

جب یاد کسی کی بستر پر الطاف مجھے تڑپاتی ہے!
راتوں کو رونے رونے میں جب نیند مری اڑ جاتی ہے
جب دور کسی کونے میں دل کے آشا دیپک گاتی ہے
اس وقت کنارِ راوی پر میں اٹھ کے جایا کرتا ہوں
اشکوں کی زباں سے لہروں کو کچھ یاد دلایا کرتا ہوں

اس نظم کا آخری مصرع ایک داستان کو لئے ہوئے ہے۔ شاعر نے چند مدھم سے نقوش صفحۂ قرطاس پر ابھار دیئے ہیں۔ ان میں رنگ آپ بھر لیجئے۔ اور پھر چشمِ تصور سے دیکھئے۔ کہ یہ تصویر ایک شاہکار ہے۔ کہ نہیں:

"پی آؤ پی آؤ" برہا کی ایک اور کیفیت کو پیش کرتا ہے۔ چونکہ الطاف ایک ہجر زدہ شاعر ہے۔ لہذا اس کے کلام میں فراق کے مختلف مناظر کا ہونا ضروری

اِس گیت کا صرف ایک بند نقل کرتا ہوں ؎

تم بن چاروں اور اداسی
کون طرف ہو من کے باسی
ڈھونڈ رہی ہے تم کو داسی
اُجڑی نگری آن بساؤ!
پی آؤ پی آؤ

سوز و گداز الطاؔف کے کلام کا خاص جوہر ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غم نصیب شاعر نشاط و کیف سے کبھی دوچار نہیں ہوا۔ وصل کی خوشی کبھی اِس کے حصّہ میں نہیں آئی۔ یہ دیکھ کر مجھ ایسے حرماں نصیب کا دِل لرزا ٹھتا ہے اور کسی شاعر کا ہمنوا ہو کر الطاؔف کو مخاطب کرتے کہتا ہوں ؎

ہجر کی رات جاگنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی!

"دھیرے دھیرے گا ری جوگن" کا ترنم اور زیر و بم ایک عجیب کیفیت پیدا کرتا ہے۔ جذبات کا مد و جزر اگر دیکھنا ہو۔ تو اس پر کیف اور رواں گیت کو پڑھیئے۔ موسیقیت اور نغمہ کا ایک بے پناہ دریا ہے۔ جو امڈا چلا آ رہا ہے۔ میں گانا نہیں جانتا۔ لیکن گانے کو سمجھنے کا دعوے کر سکتا ہوں۔ بارات نہیں چڑھا لیکن باراتیں چڑھتی ضرور دیکھی ہیں۔ آیئے ہم اور آپ مل کر اس گیت سے لطف اندوز ہوں ؎

دھیرے دھیرے گا ری جوگن
دھیرے دھیرے گا
دکھ کے روگی ہی کچھ جانیں کتنی سندر تیری تانیں

ہلکی ہلکی مستی ان میں سُکھ کی نیندیں مستی ان میں
بارش نیندوں کی برسا

دھیرے دھیرے گا

ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

سپنوں کا سنسار بسا دے ایک کو نہیں دو چار بسا دے
پی کر گھومیں جس میں پریمی پی کر جھومیں جس میں پریمی!
مدھ میں ڈوبی تان اُڑا

دھیرے دھیرے گا

ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

آنکھوں کو آنکھوں میں رکھ کر پریم کا میٹھا امرت چکھ کر
تو بن میری اور میں تیرا! نیند کی پریاں ڈالیں گھیرا
گانے گانے میں مسکا!

دھیرے دھیرے گا

ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

"بیت گئی وہ رات سہانی" ماضی کی رنگین یاد ہے۔ گزرے ہوئے واقعات کی ایک صدائے بازگشت ہے۔ بھولے ہوئے حوادثات کی ایک نیم مکمل تصویر ہے۔ شاعر آنکھوں میں آنسو بھر کر اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہے :-

رات گئے نشہ کا اُترنا! گھر جاتے ہوئے اُن کا ڈرنا
آنکھوں سے آنکھیں نہ ملانا دوپٹہ رُخ سے نہ ہٹانا
آہ کہاں ہے اب وہ جوانی
بیت گئی وہ رات سہانی!
ہائے جوانی ہائے جوانی

"شباب رفتہ کا مرثیہ اکثر شاعروں نے پڑھا ہے۔ لیکن الطاف جس خوبی اور چابک دستی سے عہد گذشتہ کی تصویر کشی کرتا ہے۔ وہ ایک سحرکار مصوّر اور ایک جادو نگار شاعر ہی کو زیب دے سکتا ہے۔ ہر شخص اس میدان کا یکہ تاز نہیں ہو سکتا؎

کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

میرے خیال میں الطاف مشہدی غزل گوئی کے لئے پیدا ہی نہیں ہوئے غزل ان کا میدان ہی معلوم نہیں ہوتا۔ اس مجموعہ میں جو غزلیں شامل ہیں وہ اگرچہ خاصی ہیں لیکن ان کی نظموں اور گیتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور جو سچ پوچھئے۔ تو غزل سرائی کے زمانے لد گئے۔ اب تو اردو ادب "نظم" چاہتا ہے۔ شعراء قدیم کے دواوین اس صنفِ سخن سے قطعاً خالی ہیں۔ متاخرین میں حالی اور آزاد نے نظم گوئی کی طرف توجہ مبذول کرنی چاہی۔ لیکن زمانے کی ہوا اس پودے کے لئے ناسازگار ثابت ہوئی۔ پایانِ کار انہوں نے مثنوی کی آبیاری کی لیکن زمانے نے اسے بھی پسند نہ کیا۔ مگر یہ حقیقت قائم رہے گی۔ کہ یہ آزاد اور حالی کی کوششیں ہی تھیں۔ جو اردو ادب کو صدیوں کی پرانی لکیر سے ہٹا کر ایک نئے راستے پر ڈال رہی تھیں۔ اگر یہ بزرگ اس ضمن میں کچھ نہ کرتے۔ تو کوئی تعجب نہ تھا۔ اگر آج بھی ہمارا ادب وہی گل و بلبل۔ لب و رخسار اور کنگھی

چوٹی کے مضامین فرسودہ اور بیہودہ سے پُر نظر آتا۔ الطاف مشہدی اگر غزل میں نظم کی رنگینی اور دلآویزی پیدا نہیں کر سکتے۔ تو وہ معذور ہیں۔ ہر شاعر خواہ اس کی ذہنی قابلتیں کیسی ہی ہوں۔ اپنے ماحول سے بہت بڑی حد تک متاثر ہؤا کرتا ہے۔ اس کے گردو پیش جو کچھ روز گزرتا ہے۔ وہ اس سے رنگ قبول کرتا ہے۔ فی زمانہ غزل کا رواج روز بروز کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور خود یو۔پی کے شعراء بھی غزل سرائی کی بجائے اب نظم گوئی کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے۔ کہ غزل اب مقبولِ خواص و عوام نہیں رہی۔ اس کے باوجود الطاف مشہدی نے بعض غزلوں میں اچھے شعر بھی نکالے ہیں۔ مگر جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں۔ ان اشعار میں آپ کو وہ رفعتِ تخیل اور بلندیٔ جذبات۔ رنگینیٔ خیال اور نزاکتِ احساس کم نظر آئے گی۔ جو ان کی نظموں اور خصوصاً گیتوں کا خاصہ ہے۔ بعض اشعار لکھتا ہوں۔ تاکہ ناظرین میری رائے کو ان کی روشنی میں پرکھ سکیں ؎

ایک جگہ کہتے ہیں :- ؎

جی رہا ہے کوئی جس اقرار پر
اس حسیں انکار کی باتیں کریں

"حسین انکار" کا ٹکڑا بہت اچھا ہے۔ حسینوں کا انکار بھی اگر حسین نہیں ہو گا۔ تو پھر کیا بدصورت لوگوں کا انکار حسین ہو گا۔ جب کوئی پری پیکر آنکھوں کی حسین گردش اور سر کی ایک نازک سی جنبش سے آرزوؤں کا خون کر دے۔ تمناؤں کو زندہ درگور کر دے۔ تو اس انکار کو کون کمبخت ہے۔ جو حسین نہیں بتائے گا۔ اس انکار میں اقرار کی اُمید آہ ایک جگہ پاش منظر ضرور ہے۔ لیکن اس سے دلِ مایوس کی ڈھارس بھی تو بندھتی ہے۔ اور یہی وہ نکتہ ہے جس

نے اس انکار میں بھی حسن پیدا کر دیا ہے ؂

"آنسو" کی بالکل نئی اور اچھوتی تعریف اس شعر میں ملاحظہ فرمائیے۔ میری نظر سے آج تک نہ گزری۔ اُردو اور انگریزی ادب میں کہیں ایسی تعریف نہیں گزری۔ سبحان اللہ کیا شعر ہوا ہے ؂

یہ آنسو نہیں پھول ہیں باغِ دل کے
جہاں رو دیئے ایک جنت بسا دی

"باغِ دل کے پھول" ایک البیلا ٹکڑا ہے۔ اور اس رعائیت سے "جنت" کا لفظ کیا خوب آیا ہے ؂

ایک غزل کے یہ چند شعر بہت اچھے ہیں ؂

فریبِ آرزو دل کھا رہا ہے ۔۔۔ مجھے برباد کرکے جا رہا ہے!
اِدھر آنکھیں پڑی ہیں خشک ویراں ۔۔۔ اُدھر رونے کا موسم آ رہا ہے
وہ رخصت ہو رہے ہیں یا مقدر ۔۔۔ قضا کی نیند سوتا جا رہا ہے!
مری آنکھوں میں آنسو تھم گئے ہیں ۔۔۔ کوئی بچھڑا ہوا گھبرا رہا ہے!

نظموں میں "غریب اور نظارے" "ایک بیتی ہوئی رات" "تصور" اور "بیمارِ محبت" معیاری نظمیں ہیں۔ ان کے بارے میں میں کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا۔ صرف اتنا کہنے کی جرأتِ رندانہ کرتا ہوں۔ ؏

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

اتنا لکھ چکا ہوں۔ مگر معلوم ہوتا ہے۔ کہ ابھی کچھ نہیں لکھا۔ الطاف کی شاعری پر عشرِ عشیر بھی روشنی نہ ڈال سکا۔ اپنی کم مائیگی کا احساس فقرہ فقرہ پر قلم کو روکتا ہے۔ ابھی بیسیوں پہلو تشنہ ہیں۔ جی چاہتا ہے۔ کہ جی کھول کر لکھوں۔ مگر اس خیال سے چپ ہوں۔ کہ مجھ سے زیادہ استعداد رکھنے والے موجود ہیں وہ

اس کام کو کریں گے ۔ میرے لئے یہ افتخار ہی کیا کم ہے ۔ کہ حضرت الطاف مشہدی نے مجھ سے مقدمہ لکھوا کر مجھ پر ایک احسانِ عظیم فرمایا ہے ۔ میں نے اس موقعہ کو غنیمت جان کر اپنے بے ربط خیالات کو صفحۂ قرطاس پر منتقل کر دیا ہے ۔ جو لوگ مجھ پر خوشامد اور تعلق کا الزام لگائیں گے ۔ اُن کی خدمت میں اتنا عرض کر دینا کافی ہے

ے فرق آنکھوں میں نہیں فرق ہے بینائی میں
عیب چیں عیب ، ہنرمند ہنر دیکھتا ہے !

اِس سے زیادہ نہ میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ۔ نہ کچھ کہنے کی مجھ میں اہلیت ہے ان لوگوں کی جناب میں اتنی اور گستاخی کرنا چاہتا ہوں ۔ کہ سونا آپ کے سامنے موجود ہے ۔ کسوٹی نکالیئے اور پرکھیئے ۔ جھوٹ اور سچ کھل جائے گا ؏

تجھ کو شباب کی قسم دیکھ کے تربتوں کو چل
سوئی پڑی ہیں خاک میں اجڑی ہوئی جوانیاں

الطاف

نیّا موری کردو پار

بادل گرجے رین اندھیری　　نیّا ہے منجدھار میں میری
آشا من میں ڈول رہی ہے　　چِنتا آنکھیں کھول رہی ہے
جھونکے گاتے ہیں ملہار
نیّا موری کردو پار
کھیون ہار

طوفاں بڑھتا ہی جاتا ہے　　دریا چڑھتا ہی جاتا ہے
کوئی نہیں ہے دُکھیاری کا　　کون بنے برہا ماری کا
آجاؤ بن کھیون ہار
نیّا موری کردو پار
کھیون ہار

پریم کا چپّو لے کر آؤ　　پریم کا میٹھا گانا گاؤ
دُکھ کا طوفاں اور بِرہن ناری　　دیکھ رہی ہے راہ تمہاری

آشاؤں کا اِک سنسار
نیّا موری کردو پار
کھیون ہار

پی آؤ پی آؤ

تم بن چاروں اور اداسی
کون طرف ہو من کے باسی!
ڈھونڈ رہی ہے تم کو داسی
اُجڑی نگری آن بساؤ
پی آؤ پی آؤ

بادل روٹھے ساون رُوٹھا
کلیاں روٹھیں گلشن رُوٹھا
مستی روٹھی جوبن روٹھا

روٹھوں کو خود آن مناؤ
پی آؤ پی آؤ

آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں
ہونٹوں پر نالے رہتے ہیں
لوگ مجھے پگلی کہتے ہیں
آ کر میرا مان بڑھاؤ
پی آؤ پی آؤ

اِک دیس بسائیں

اے جانِ تمنا! ارمانِ تمنا!!
آ چھوڑ کے دھندے اور لوبھ کے بندے
پھولوں میں سمائیں
اک دیس بسائیں

راوی کے کنارے

اُس دیس کی راہیں بھرتی ہوں نہ آہیں!
خوشبو میں بسی ہوں پھولوں سے لدی ہوں
اور گیت بھی گائیں!
اک دیس بسائیں
راوی کے کنارے

مخمور شبوں کو مسرور شبوں کو
اک مست حسینہ کھیتی ہو سفینہ
ہم سیر کو جائیں
اک دیس بسائیں
راوی کے کنارے

ہر شے ہو جوانی الفت کی کہانی
رقصاں ہوں فسانے ہنستے ہوں ترانے
گاتی ہوں گھٹائیں
اک دیس بسائیں

راوی کے کنارے

راتیں ہوں گلابی
تارے ہوں شرابی
ہم جام لنڈھائیں
آکاش جھکائیں
زہرہ کو بلائیں
اک دیس بسائیں
راوی کے کنارے

نیندوں کے خزانے
پڑ جائیں لٹانے
یوں جھوم کے ہم تم
کچھ چوم کے ہم تم
آنکھوں کو ملائیں
اک دیس بسائیں
راوی کے کنارے

کرنوں کا تبسم
لہروں کا ترنم
جنت کی بہاریں
گیتوں کی قطاریں
راہوں میں بسائیں
اک دیس بسائیں!

راوی کے کنارے

جس دیس کی رسمیں . یوں عشق کے بس میں
آنسو ہوں نہ آہیں بیکس نہ کراہیں
وہ دیس بسائیں
اِک دیس بسائیں
راوی کے کنارے

دھیرے دھیرے گا

دُکھ کے روگی ہی کچھ جانیں کتنی سُندر تیری تانیں
ہلکی ہلکی مستی ان میں سُکھ کی نیندیں بستی ان میں
بارش نیندوں کی برسا!
دھیرے دھیرے گا
ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

سپنوں کا سنسار بسا دے　　ایک نہیں دو چار بسا دے
پی کر کھو میں جن میں پریمی　　"پی" کو چومیں جن میں پریمی
مدھ میں ڈوبی تان اُڑا

دھیرے دھیرے گا

ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

آنکھوں کو آنکھوں میں رکھ کر　　پریم کا میٹھا امرت چکھ کر
تو بن میری اور میں تیرا　　نیند کی پریاں ڈالیں گھیرا
گانے گانے میں مُسکا

دھیرے دھیرے گا

ری جوگن

دھیرے دھیرے گا

پریم نگر کو جانا

ٹیڑھی ٹیڑھی ترچھی ترچھی پریم نگر کی راہیں
پریم نگر میں بسنے والوں کے ہونٹوں پہ آہیں
زردی چہرے پر گردن میں دکھ کی لمبی باہیں
روتے روتے ہنستے ہنستے گیت وِیوگ کے گانا

پریم نگر کو جانا

سجنی

پریم نگر کو جانا

جانے والے تو کیا جانے پریم نگر کی رسمیں
پریم نگر میں بس جانے سے کچھ نہ رہے گا بس میں
سوغاتیں ہیں پریم نگر کی کچھ وعدے کچھ قسمیں
من کو غم کا روگ لگانا نینن کو ترسانا!

پریم نگر کو جانا

سجنی

پریم نگر کو جانا

من کہتا ہے چھوڑ کے دھندے پریم نگر کو جاؤں
پی کی میٹھی میٹھی باتوں سے من کو بہلاؤں
سمے اجازت دے تو پی کو پلکوں پر بٹھلاؤں
اور سوؤں قدموں میں پی کے کر کے کوئی بہانہ

پریم نگر کو جانا

سجنی

پریم نگر کو جانا

جینا ہے تو پی کر جی

دُنیا اور دُنیا والوں کو
مذہب کے سب رکھوالوں کو
نام بتا اور جام چڑھا جا
آنکھ دکھا اور جام چڑھا جا

پینا ہے تو جی کر پی

جینا ہے تو پی کر جی

"پی" کی نظریں گھول کے پی لے جے ساقی کی بول کے پی لے
پی لے پی لے جتنا چاہے جی لے جی لے جتنا چاہے
پی کر کس نے توبہ کی
جینا ہے تو پی کر جی

من سے جتنا مُنہ موڑے گی دکھ کی ناگن دم توڑے گی
نشے میں آشا جھومے گی تاروں کی چتون چومے گی
پینے والے جلد ہی پی
جینا ہے تو پی کر جی

پیمانے کی ریت مٹا دے میخانہ ہونٹوں سے لگا دے
پھر یہ موسم کب آئے گا آئے گا کیا ترسائے گا
اب پی بھی ہیں اور تو بھی
جینا ہے تو پی کر جی

پریمی کیوں ایسے ہوتے ہیں

تاروں سے باتیں کرتے ہیں   کنواری کلیوں پر مرتے ہیں
آپ اپنے میں کھو جاتے ہیں   انگاروں پر سو جاتے ہیں
لب ہنستے اور من روتے ہیں
پریمی کیوں ایسے ہوتے ہیں

موت کی آشا پر جیتے ہیں   غم کھاتے اور خوں پیتے ہیں
ڈھونڈتے ہیں ہر شے میں کسی کو   ہنسی کی ہر لے میں کسی کو
رو رو کر جیون کھوتے ہیں
پریمی کیوں ایسے ہوتے ہیں

نظاروں سے کچھ کہتے ہیں   اور کبھی چپ سے رہتے ہیں
تھام کے دل پھرتے ہیں چمن میں   درد کی ٹیسیں لے کر من میں
کھول کے آنکھیں کیوں سوتے ہیں
پریمی کیوں ایسے ہوتے ہیں

تو ہونٹوں سے لگا پھولوں کا پانی

ترے قدموں پہ جھک جائینگے تارے — ترے رستے میں بچھ جائینگے سارے
لپٹ جائیگی تجھ سے ناگہانی — حسیں پھولوں کی البیلی جوانی
تجھے حوریں سنائیں گی کہانی
تو ہونٹوں سے لگا پھولوں کا پانی

حسیں شانوں پہ کھل جائینگے گیسو — نشیلے جسم اٹھلائیں گے ہر سو
اٹھیں گی تیری جانب گوری باہیں — تجھے چومیں گی مستانہ نگاہیں
تری آنکھوں سے ٹپکے گی جوانی
تو ہونٹوں سے لگا پھولوں کا پانی

فلک آئیگا سجدے کو زمیں پر — ترے قدموں کو رکھے گا جبیں پر
مراد مہ جو بادل جھک نہ جائیں — تجھے پاتے ہی طوفاں رک نہ جائیں
بنے جنت نہ کر دنیائے فانی
تو ہونٹوں سے لگا پھولوں کا پانی

میں پردیسی ہوں مجھکو بھول جانا

حسیں آنکھوں سے آنسو مت بہانا
لبِ لعلیں کو آہوں سے بچانا
جوانی کو تڑپنا مت سکھانا
مری خاطر نہ شب کو تلملانا میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا
سمجھ لینا کہ آوارہ سا کوئی
خرابِ عشق بیچارہ سا کوئی
یہاں پر ایک ناکارہ سا کوئی
رہا تھا مختصر سا کچھ زمانہ میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا
مری اُلفت نہیں ہے جاودانی
پلی ہے شہر میں میری جوانی
ہوس کی جس جگہ ہے حکمرانی
خدارا میری باتوں میں نہ آنا میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

مجھے معلوم ہے تم غم کرو گی
شبوں کو جاگ کر آہیں بھرو گی
مری خاطر جوانی میں مرو گی
مگر اک جا نہیں میرا ٹھکانا   میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا
مجھے ڈر ہے کہیں پنگھٹ پہ جا کر
حسیں پنہاریاں شانے ملا کر
نشیلی انکھڑیوں سے مسکرا کر
نہ دہرائیں ترے غم کا فسانہ   میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا
میں جب اپنے وطن کو لوٹ جاؤں
نظر راہوں میں جب تجھ کو نہ آؤں
افق کے اس طرف بستی بساؤں
تو میری یاد میں مت تلملانا   میں پردیسی ہوں مجھ کو بھول جانا

اے عشق انہیں بدنام نہ کر

پھولوں سے بھی بڑھ کر ہیں وہ حسیں
مینجا نہ ہے اُن کی آنکھ نہیں
کہتے ہیں انہیں سب پردہ نشیں
جلووں کو تو اُن کے عام نہ کر اے عشق انہیں بدنام نہ کر

بچپن ہے ابھی نادان ہیں وہ
کیا اُن کو خبر انجان ہیں وہ
کچھ بھی ہوں مگر انسان ہیں وہ
تو وقفِ غم و آلام نہ کر اے عشق انہیں بدنام نہ کر

اس عمر میں کھونا سیکھ نہ جائیں
راتوں کو رونا سیکھ نہ جائیں
کانٹوں پہ سونا سیکھ نہ جائیں
یوں دردبھرا انجام نہ کر اے عشق اُنہیں بدنام نہ کر

پریم ہے اک بیماری

آہ وہ اُن کی میٹھی باتیں تارے گن گن کاٹوں راتیں
میں برہا کی ماری
پریم ہے اک بیماری
سجنی
پریم ہے اک بیماری
روٹھی ہوں میں آن مناؤ آکے آنکھوں میں بس جاؤ
جان کروں بلہاری
پریم ہے اک بیماری
سجنی
پریم ہے اک بیماری
جس کو لاگے سو ہی جانے دُکھ کا قصہ غم کے فسانے
زخموں کی پھلواری

پریم ہے اک بیماری
سجنی
پریم ہے اِک بیماری
گاتے گاتے چُپ کر جانا ہنستے ہنستے اشک بہانا
غم کا بادل طاری
پریم ہے اِک بیماری
سجنی
پریم ہے اک بیماری

اِک رات ایسی بھی آئی تھی

جب چھُپ چھُپ کے ملے تھے یاد کرو اُس یاد سے دِل آباد کرو
اک ناگ سا رہ رہ ڈستا تھا آنکھوں سے خون برستا تھا
آلام کی بدلی چھائی تھی
اک رات ایسی بھی آئی تھی

گو ملنے سے مسرور تھے ہم روئے پہ مگر مجبور تھے ہم
ڈرتے تھے بچھڑ جائیں نہ کہیں بستے ہیں اُجڑ جائیں نہ کہیں
اس غم نے آگ لگائی تھی
اک رات ایسی بھی آئی تھی

وہ غم کی کہانی یاد کرو اشکوں کی زبانی یاد کرو
منہ پھیر کے تم رو لیتے تھے اور مجھ کو تسلی دیتے تھے
جب چوٹ جگر پر کھائی تھی
اک رات ایسی بھی آئی تھی

کیا تم وہ زمانہ بھول گئے آہوں کا ترانہ بھول گئے
اشکوں کا بہانا بھول گئے سچ مچ وہ فسانہ بھول گئے
جس کا انجام جدائی تھی
اک رات ایسی بھی آئی تھی

اُس باغ میں اب بھی جاتی ہوں پہروں تک اشک بہاتی ہوں
جس باغ میں چھپ کے ملتے تھے ہم مرجھائے اور کھلے تھے ہم
جب درد کی دولت پائی تھی
اک رات ایسی بھی آئی تھی

کون کسی کا میت

یہ دنیا ہے پاپ کی نگری جس کی ڈوری اُس کی گگری
ہار کے اس کو جیت
کون کسی کا میت
ہے جگ میں
کون کسی کا میت
بیت گئے دن مُسکانے کے ساجن سنگ مِل کر گانے کے
دُکھ ہے پریت کی ریت
کون کسی کا میت
ہے جگ میں
کون کسی کا میت
جی لے پی کر کڑوا پانی کر لے کچھ دن تک من مانی
سمے رہا ہے بیت
کون کسی کا میت

ہے جگ میں
کون کسی کا میت

جیون نیّا کھینے والے   من کو ڈھارس دینے والے
توڑ گئے ہیں پریت
کون کسی کا میت
ہے جگ میں
کون کسی کا میت

من کو غم کا روگ لگا ہے

دل کی دھڑکن بڑھتی جائے   دکھ کی ندی چڑھتی جائے
آشا بے سُدھ سوئی پڑی ہے   پریم کی ناگن پاس کھڑی ہے
لب پر نالے گھوم رہے ہیں   آگ کے بادل جھوم رہے ہیں
نینن میں اک باغ کھلا ہے
من کو غم کا روگ لگا ہے

دیوانہ مشہور ہُوا ہوں   عقل سے کوسوں دُور ہُوا ہوں
دنیا دیکھ کے ہنس دیتی ہے   مجھ سے کیا بدلہ لیتی ہے
نیند کا دریا رُک سا گیا ہے   خوشیوں کا سر جھک سا گیا ہے

جینا اب مرنے سے بُرا ہے
من کو غم کا روگ لگا ہے

راز کا مجھ کو ہوش کہاں ہے   نام کسی کا وردِ زباں ہے
گا نا سن کر رو دیتا ہوں   زخموں کا مُنہ دھو لیتا ہوں
آنکھوں میں ساون آیا ہے   اک پردیسی گھبرایا ہے

پی بن جینا کیا جینا ہے
من کو غم کا روگ لگا ہے

پردیسی کو لوٹ لیا ہے

میٹھی میٹھی باتیں کر کے رُخساروں میں بجلیاں بھر کے
ہونٹوں پر اک باغ کھلا کر آنکھوں کو بدمست بنا کر
مجھ بیکس پہ ظلم کیا ہے
پردیسی کو لوٹ لیا ہے
اک رہزن نے

تن تنہا ہوں دُور وطن سے ہے آنکھ سے اوجھل اپنا چمن ہے
سنگی ساتھی چھوڑ گئے ہیں رشتے ناتے توڑ گئے ہیں
ایسا ہو کر کون جیا ہے
پردیسی کو لوٹ لیا ہے
اک رہزن نے

میخانوں سے ناواقف تھا! پیمانوں سے ناواقف تھا
ہونٹوں سے کچھ زہر ملا کر آنکھوں سے کچھ قہر ملا کر
ساقی نے اک جام دیا ہے

پردیسی کو لوٹ لیا ہے
اک رہزن نے

تھک گئیں آنکھیں تک تک راہ

پی کو دیکھے سال ہوا ہے   رو رو کر یہ حال ہوا ہے
پھانس جگر میں لب پر آہ
تھک گئیں آنکھیں تک تک راہ

ساون آیا بادل برسے   آنے والے آئے سفر سے
ساجن ناہیں بھولے راہ
تھک گئیں آنکھیں تک تک راہ

آج سکھی گر پریتم آئیں   ہم سب میں اک جیز لٹائیں
نام ہے جس کا من کی چاہ
تھک گئیں آنکھیں تک تک راہ

پگلی! پریتم آجائیں گے   سچ مچ کہتی ہوں آئینگے

جھوٹی مجھ کو سمجھا ؟ واہ
تھک گئیں آنکھیں تک تک راہ

جب سے گئے ہیں بھولنے والے آوارہ سا رہتا ہوں

آنکھ میں آنسو لب پر آہیں، درد کے خنجر سہتا ہوں
آگ کے دریا کی موجوں پر شام سویرے بہتا ہوں
پوچھتا ہے جب حال کوئی تو تھام کے دل کو کہتا ہوں
جب سے گئے ہیں بھولنے والے آوارہ سا رہتا ہوں

بدلی بن کر ہر دم میری آنکھ برستی رہتی ہے
دنیا پاپی دنیا مجھ پر فقرے کستی رہتی ہے
میں ان سم آلودہ تیروں کو سینے پر سہتا ہوں
جب سے گئے ہیں بھولنے والے آوارہ سا رہتا ہوں

کالی کالی مست گھٹائیں گھر کر جس دم چھاتی ہیں
مجھ سے میرے پردیسی کی زلفیں آنکھ ملاتی ہیں

میں زلفوں کی ناگن سے الطاف تڑپ کر کہتا ہوں
جب سے گئے ہیں بھولنے والے آوارہ سا رہتا ہوں

سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا

تھم گئے دریا رک گئیں نہریں
اوڑھ کے چادر سو گئیں لہریں
آنکھیں اب ویران پڑی ہیں
مدّت سے سنسان پڑی ہیں
رستہ صاف پڑا ہے دیوی آجا گیت سُنا جا
سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا
سناٹے اب بھاگ رہے ہیں
صبح کے منظر جاگ رہے ہیں
سونے کو ہیں چاند ستارے
بھولے بھالے پیارے پیارے

مجھ بیکل کو دے کر لوری تھوڑی دیر سُلا جا
سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا

پی کی مُورت ہے آنکھوں میں
پیاری صورت ہے آنکھوں میں
آنکھوں سے تو ڈرتی کیوں ہے
ٹھنڈی آہیں بھرتی کیوں ہے

یہ تیرا گھر بار ہے دیوی آ کر اسے بسا جا
سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا

پریتم جب سے چھوڑ سدھارے
ٹوٹ گئے سب ساتھ سہارے
چھوٹا آنا جانا تیرا
آہ وہ میٹھا گانا تیرا

پریتم تو اب آتے ہوں گے تو بھی پیاری آجا
سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا

پریتم جب تک آئیں دیوی

سوئے بھاگ جگائیں دیوی
تو اُن کے آنے سے پہلے
مستی برسانے سے پہلے
کرنوں کے بربط پر گا کر مجھکو مست بنا جا
سُونا ہے آنکھوں کا مندر نیند کی دیوی آجا

دو بچھڑے دل مل جائینگے

کوئل کی کُوکُو میں چھُپ کر   پھُولوں کی خوشبو میں چھُپ کر
تاروں کو جھولی میں بھر کر   کرنوں کی سیڑھی سے اتر کر
من کہتا ہے پی آئیں گے
دو بچھڑے دل مل جائیں گے
پی آئیں گے کیسے مانوں   آجائیں تو جب میں جانوں
من پگلا ہے اس کا کیا ہے   کہہ دیتا ہے اس کا کیا ہے
بادل بن کر لہرائیں گے

دو بچھڑے دل مل جائیں گے

میں جب بال بناتی ہوں گی   تھم تھم کر کچھ گاتی ہوں گی
آنکھ سے اشک بہاتی ہونگی   روتی اور مسکاتی ہونگی

چپکے چپکے پی آئیں گے
دو بچھڑے دل مل جائیں گے

کون بندھائے دھیر

پی دیکھن کو نینن ترسیں   ہونٹوں سے انگارے برسیں

پریم کا من میں تیر
کون بندھائے دھیر

پیا بن
کون بندھائے دھیر

قسمت اپنی پھوٹ گئی ہے   آشا من کی ٹوٹ گئی ہے

آنکھ سے برسے نیر

کون بندھائے دھیر
پیا بن
کون بندھائے دھیر
پی آئیں اور آکر پوچھیں   حال مرا مسکا کر پوچھیں
دکھلا دوں من چیر
کون بندھائے دھیر
پیا بن
کون بندھائے دھیر
دیس بدیس پیا کو ڈھونڈوں   کھول کے کیس پیا کو ڈھونڈوں
گا کر رانجھا ہیر
کون بندھائے دھیر
پیا بن
کون بندھائے دھیر

آخر گور ٹھکانا تیرا

بہن ، پتا ، ماتا اور بھائی   دکھ میں کس نے آنکھ ملائی
تخت ، حکومت ، گھوڑے ، ہاتھی   رہ جائیں گے سارے ساتھی
ساتھ ترے کس نے ہے جانا
آخر گور ٹھکانا

تیرا
آخر گور ٹھکانا

ہوگا تن مٹی کے نیچے   لاکھوں من مٹی کے نیچے
بجلی رہ رہ کر کڑکے گی !   تربت میں چھاتی دھڑکے گی
چھوڑے گا اپنا بیگانہ
آخر گور ٹھکانا

تیرا
آخر گور ٹھکانا

سانس کا رابطہ ٹوٹا جانو   زیست کا دامن چھوٹا جانو

روح کا پنچھی اُڑ جائے گا　　اُڑتے اڑتے یوں گائے گا

جیون کیا ہے ایک فسانہ

آخر گور ٹھکانا

تیرا

آخر گور ٹھکانا

پی آؤ برسات منائیں

اُن کی پیاری پیاری آنکھیں　　پریم نشے سے بھاری آنکھیں

کر کے پاگل بھول نہ جائیں

اور تڑپائیں

پیلے کپڑوں والے جوگی　　من جن کے ہیں پریم کے روگی

ہنسنے میں کیوں نیر بہائیں

اُف یہ وفائیں

آنکھوں میں مینخانے لے کر　　ہونٹوں پر پیمانے لے کر

پی آؤ برسات منائیں
مل کر گائیں
چاند کے ساغر میں کچھ پی لے کلیوں کا رس پی کر جی لے
کہتی ہیں یہ سرد ہوائیں
مست فضائیں

ہولے ہولے بول

تو ساون کی سندر راتوں میں جب پی پی گاتا ہے
من مندر کے دروازے پر ایک پجاری آتا ہے
میٹھی بولی میں کہتا ہے مندر کے پٹ کھول
ہولے ہولے بول
پپیہے
ہولے ہولے بول
پھولوں کی رنگت میں چھپ کر جیون ساتھی آئیگا

بیت چلی ہے جوبن کی رت آکر مست بنائے گا
ہنس کے کہونگی سکھا اپنے کو دکھ سے میرے تول
ہولے ہولے بول

پپیہے
ہولے ہولے بول

آنکھ میں آنسو لب پہ آہیں اور گلے میں کیں سکھی
جوگن بن کر ڈھونڈ رہی ہوں اُن کو دیس بدیس سکھی
کون ہے پی بن کر جو ڈالے گا اس چاہت کا مول
ہولے ہولے بول

پپیہے
ہولے ہولے بول

پریت کا ناتا توڑ گئے وہ

کر کے وعدہ پھر آنے کا جیون بن کر چھا جانے کا
روتی مجھ کو چھوڑ گئے وہ
پریت کا ناتا توڑ گئے وہ

رونا دھونا چھوٹ گیا تھا ساتھ غموں کا ٹوٹ گیا تھا
پل بھر میں پھر جوڑ گئے وہ
پریت کا ناتا توڑ گئے وہ

جس شیشے میں یاد تھی اُن کی حسرت بھی آباد تھی ان کی
خود ہی اس کو پھوڑ گئے وہ
پریت کا ناتا توڑ گئے وہ

چپکے چپکے روتی رہنا حال اپنا نہ کسی سے کہنا
اتنا کہہ کر چھوڑ گئے وہ
پریت کا ناتا توڑ گئے وہ

راوی پار بسیرا

راوی پار بسیرا

پی کا

راوی پار بسیرا

رین سمے کیسے میں جاؤں "من باشی" کے درشن پاؤں
بجلی چمکے بادل برسے من سینے میں رہ رہ ترسے

چاروں اور اندھیرا

راوی پار بسیرا

پی کا

راوی پار بسیرا

پریم ہے پی کی ہر اک شے میں پریم کا دریا پی کی لے میں
پریم کا بستر پریم سرہانا پریم ہی رونا پریم ہی گانا

پریم ہی شام سویرا

راوی پار بسیرا

پی کا

راوی پار بسیرا

پی جب مستی میں گاتے ہیں دُکھ کے روگی سو جاتے ہیں

پلکیں اُن کی جُھک جاتی ہیں آہیں اُن کی رک جاتی ہیں

نیندیں ڈالیں گھیرا

راوی پار بسیرا

پی کا

راوی پار بسیرا

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر جگر کو سوزشِ پیہم سے ہمکنار نہ کر

مرے شباب کی راتوں کو سوگوار نہ کر

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

ترس رہی ہے تیری دید کو نظر میری تمام رات رلاتی ہے آرزو تیری

مری بہار خدارا خزاں شکار نہ کر

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

ہوئی ہے عمر مسرت کی بھیک پا نہ سکا ہزار چاہا بھی میں نے تو مسکرا نہ سکا

خرابِ عشق کو اتنا تو بیقرار نہ کر

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

نظر کو حوصلۂ عرضِ غم دیا میں نے برستی آنکھ سے کارِ زباں لیا میں نے

مگر جواب کہ "یہ ذکر بار بار نہ کر"

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

وطن میں جا کے جو غربت زدہ کو بھولنا تھا نشاط و عیش میں حسرت زدہ کو بھولنا تھا

تو کیوں یہ کہہ نہ دیا پہلے ہم سے پیار نہ کر

مرے حبیب مجھے وقفِ اضطرار نہ کر

دُنیا ایک تماشا

دُنیا ایک تماشا

بابا

دُنیا ایک تماشا

اس دنیا میں لوبھ کے بندے

جتنے لوبھی اتنے گندے

زر کا لالچ ، پیٹ کے دھندے

دولت اِن کی آشا

دُنیا ایک تماشا

بابا

دُنیا ایک تماشا

آنکھیں بند کر اور گذر جا

چپکے چپکے اپنے گھر جا

بہرہ راجہ گونگی پرجا
مشکل اِن کی بھاشا
دُنیا ایک تماشا

بابا
دُنیا ایک تماشا
من کی بیتا کہتے کہتے
دُکھ سنسار کا سہتے سہتے
غم کی رو میں بہتے بہتے
ٹوٹ نہ جائے آشا
دُنیا ایک تماشا

بابا
دُنیا ایک تماشا

اس اُجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

حریمِ ناز سے چلمن کو اب اٹھا بھی کہیں
مری نگاہ کو بیباکیاں سکھا بھی کہیں
شرارِ عشق سے سوزِ دروں بڑھا بھی کہیں
جبینِ شوق میں سجدوں کو تلملا بھی کہیں
اِس اجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

ترے بغیر جہاں میں کہیں قرار نہیں
اور اپنی زیست کا بھی کوئی اعتبار نہیں
خزاں کا جس پہ تسلط ہو وہ بہار نہیں
گذر رہی ہے جوانی بس اب تو آ بھی کہیں
اِس اجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

مجھے وہ یاد ہے پیپل پہ چل چڑھانا ترا
وہ میرے پاؤں کی آہٹ سے چونک جانا ترا

اتر کر آنکھ کے رستے سے دل میں آنا ترا
اسی ادا سے نگاہوں میں پھر سما بھی کہیں
اِس اجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

فلک پہ تیرے تجسّس میں گھوم آتا ہوں
تجھے سمجھ کے ستاروں کو چوم آتا ہوں
نظر فروز مناظر پہ جھوم آتا ہوں
تو میرے حجلۂ دل میں سمٹ کے آ بھی کہیں
اس اُجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

ترے فراق میں اب جاں سے جا رہا ہوں میں
حیات و موت کا جھگڑا چکا رہا ہوں میں
نقوشِ ہستیٔ فانی مٹا رہا ہوں میں
تو بن کے عہدِ گذشتہ مجھے بچا بھی کہیں
اِس اجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی کہیں

جو تُو نہیں تو تیری یاد کیوں ستاتی ہے
اسے سنبھال یہ سوزِ دروں جگاتی ہے

ستم نصیبِ محبّت کو خوں رُلاتی ہے!
قدم خمارِ محبت میں ڈگمگا بھی ہیں
اِس اُجڑے باغ پہ بن کر بہار چھا بھی ہیں!

میں غم کا روگ لگا بیٹھی

پی اُس دن سے مشہور ہوئے — مشہور ہوئے مغرور ہوئے
آنکھوں سے بھی مستور ہوئے — مجھ دُکھیاری سے دُور ہوئے
جب سے من بیت سُنا بیٹھی
میں غم کا روگ لگا بیٹھی

پیتم کی ہنسی کے پھولوں پر — زلفوں کے کالے جھُولوں پر
آنکھوں کی بہکی مستی پر — اُس میخانوں کی بستی پر
جو کچھ تھا پاس لُٹا بیٹھی
میں غم کا روگ لگا بیٹھی

زخموں کے ٹانکے ٹوٹ گئے سینے کے چھالے پھوٹ گئے
آنکھوں سے بارش ہونے لگی دِل تھام کے آشا رونے لگی
اک پریت کا گاتا گا بیٹھی
میں غم کا روگ لگا بیٹھی

بالم ہے چت چور

بالم ہے چت چور
ابھی تک
بالم ہے چت چور
پریم کی بازی میں پریمی کو دیں ماتوں پر ماتیں
نیچی نیچی نظریں پی کی بھولی بھالی باتیں
جاؤں اس مشکل سے بچ کر کون طرف کس اور
بالم ہے چت چور
ابھی تک

بالم ہے چت چور

کھول کے زلفیں جھوم رہی ہیں باغ میں مست بہاریں
پریتم ایسے ہیں گر مجھ کو پھول اٹھا کر ماریں
پھول ہنسیں اس نظارے سے چڑیاں ڈالیں شور

بالم ہے چت چور

ابھی تک

بالم ہے چت چور

جیتے جی اکبار سجنوا آ کر منہ دکھلاؤ
روٹھ چلا ہے مجھ سے جیون آ کر مجھے بچاؤ
چھوڑ گئے ہیں مجھ کو تنہا کس بل طاقت زور

بالم ہے چت چور

ابھی تک

بالم ہے چت چور

ساجن ناہیں آئے

پھول کھلے بلبل مسکائے		سب سکھیوں کے پریتم آئے
اپنے ساتھ جوانی لائے		مجھ سے کیسے دیکھا جائے

ساجن ناہیں آئے

سہیلی

ہا

برکھا بیتی جائے

ساون کا یہ مست اندھیرا		مدھ میں ڈوبا شام سویرا
اور ساجن کا دور بسیرا		من میرا کیسے کل پائے

ساجن ناہیں آئے

سہیلی

ہا

برکھا بیتی جائے

پریتم جب سے پاس نہیں ہے		پھولوں میں بُو باس نہیں ہے
جیون مجھ کو راس نہیں ہے		کون ہے جو پریتم کو لائے

ساجن ناہیں آئے
سہیلی
برکھا بیتی جائے

پی بن جگ اندھیارا

پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
مستی جس کے دم سے ہستی   روشن تھی ہردے کی بستی
ڈوب گیا وہ تارا
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
سنگی ساتھی چھوڑ گئے سب   اپنے بھی منہ موڑ گئے سب

دُکھ میں کون سہارا
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
تم بن ساجن جان چلی ہے آنکھوں سے بھی بہ نکلی ہے
خون کی تیکھی دھارا
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا
پریم کا روگ لگے دشمن کو آگ لگی ہے میرے تن کو
دِل ہے پارہ پارہ
پی بن جگ اندھیارا
سارا
پی بن جگ اندھیارا

مرے حسین مسافر تو بیقرار نہ ہو

مرے حسین مسافر تو بیقرار نہ ہو
غموں کی آتشِ سوزاں سے ہمکنار نہ ہو
خیالِ دوریٔ منزل سے اشکبار نہ ہو
میں بن کے ماہ تیری راہ جگمگاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

وطن سے دُور نیا اک وطن بنائیں گے
فضا کو قہقہوں کی ضو سے جگمگائیں گے
شرابِ وصل کی لہروں میں کھو سے جائیں گے
شباب بن کے بہاروں میں مسکراؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

ترے بغیر جوانی کو کیا کروں گی میں
یہی کہ رات دن آہیں بھرا کروں گی میں
سہیلیوں سے فسانے سُنا کروں گی میں
برستی آنکھ سے دل کا لہو بہاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

مرے شباب کے مالک جھکا نہیں سکتا

میں صرف تیری ہوں مجھ سے نہ پوچھ کیا کیا

غموں کی آگ کو دینی ہوا نہیں زیبا

تڑپ تڑپ کے وگرنہ تجھے ستاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

یہی تو دن ہیں جوانی کے مسکرانے کے

گلوں سے کھیلنے ہنسنے کے گنگنانے کے

مرے شباب پہ بن کر بہار چھانے کے

ہیں ان دنوں میں اکیلی کہاں جاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤں گی

یہ سبزہ زار یہ سوئی ہوئی فضا کا خمار

یہ مست مست نظارے یہ ہلکی ہلکی پھوار

یہ مے فروش ترانے یہ بہکی بہکی بہار

کیا تمہیں بتاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

ابھی نہ دیکھنے پائی تھی سیر ہو کے تجھے

یہ کیسے مانوں کہ میں جی سکوں گی کھو کے تجھے

رہیں گی دید کے قابل یہ آنکھیں رو کے تجھے

بہارِ زیست میں جی بھر کے مسکراؤنگی؟ مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤں گی

"تمام عمر" کہا تھا رہوں گا ساتھ ترے

حوادثات کی رَو میں بہونگا ساتھ ترے

جو دُکھ پڑیں گے جہاں میں سہونگا ساتھ ترے

مگر وہ وعدے کسے یاد اب دلاؤنگی مرے حسین مسافر میں ساتھ آؤنگی

تم پگلی ہو تم کیا جانو

تم پگلی ہو تم کیا جانو

پی میرے ہیں کہنا مانو

سوت سے کرتے ہیں وہ باتیں کٹ جاتی ہیں اُس سنگ راتیں

لیکن اُس کے ہونٹ نہیں [illegible] [illegible] نہیں سکتے

تم پگلی ہو تم کیا جانو

پی میرے ہیں کہنا مانو

بچپن ہے شرما جاتے ہیں   دیکھ مجھے گھبرا جاتے ہیں!
آنکھیں نیچی کر لیتے ہیں   منہ پر پلو دھر لیتے ہیں!

تم پگلی ہو تم کیا جانو
پی میرے ہیں کہنا مانو

رات کو سپنے میں آئے تھے   ساتھ مرے ہل کر گائے تھے
کہتے تھے میں داس ہوں تیرا   نرک ہے تجھ بن جیون میرا

تم پگلی ہو تم کیا جانو
پی میرے ہیں کہنا مانو

بہارِ موسم سرما مجھے خراب نہ کر

تصورات کی بستی میں گھومنے والی
حسین نغموں کے ہونٹوں میں جھومنے والی
دلوں کی شوخ نگاہوں سے چومنے والی
نہیں ہے پاس تو یوں وقفِ اضطراب نہ کر   بہارِ موسم سرما مجھے خراب نہ کر!

کہیں ملے تو یہ کہنا کہ بیقرار ہوں میں
خیالِ عہدِ گذشتہ سے اشکبار ہوں میں
خزاں کی گود میں سوئی ہوئی بہار ہوں میں
ستم نصیب یہ جینا تو اب عذاب نہ کر بہارِ موسمِ سرما مجھے خراب نہ کر

نہ پوچھ باعثِ بیتابی و ملال نہ پوچھ
ہے مجھ پہ زیست میری کس لئے وبال نہ پوچھ
شبِ فراق کی تنہائیوں کا حال نہ پوچھ
دلِ حزیں کے پھپھولوں کو بے نقاب نہ کر بہارِ موسمِ سرما مجھے خراب نہ کر

کسی کی یاد کی سینے میں آگ بھڑکا کر!
ہمارے عہدِ محبت کے گیت گا گا کر!
رگوں میں درد کی بیتابیوں کو دوڑا کر
مرے شباب کو گم کردہ شباب نہ کر بہارِ موسمِ سرما مجھے خراب نہ کر

گذشتہ سال تھیں کس درجہ دلنشیں راتیں
وہ سحر بارِ ترنم، وہ عنبریں باتیں!
وہ کیفِ شعر میں ڈوبی ہوئی ملاقاتیں

وہی ہوں اب بھی میں اسدؔ جبرِ اجتناب کے
بہارِ موسمِ سرما مجھے خراب نہ کر!

کچھ بھولتا جاتا ہوں

معصوم ہواؤں میں
مغموم صداؤں میں
خاموش فضاؤں میں
اک کیف سا پاتا ہوں

احباب کی گھاتوں میں
بہکی ہوئی باتوں میں
بھیگی ہوئی راتوں میں
اپنے کو مٹاتا ہوں!

مخمور فسانوں میں
پرکیف ترانوں میں
مستی بھری تانوں میں
جی بن کے سماتا ہوں

اور دل میں سماتے ہیں
جب یاد وہ آتے ہیں
اک آگ لگاتے ہیں!

اشکوں سے بجھاتا ہوں
جاموں کے کھنکنے سے   غنچوں کے چٹکنے سے
پھولوں کے مہکنے سے
کچھ بھولتا جاتا ہوں

مایا ڈھلتا سایہ

مایا ڈھلتا سایہ
مُورکھ
مایا ڈھلتا سایہ
کل میری تھی آج تمہاری   پرسوں اور کسی کی باری
اِس مایا کا مان نہ کرنا   آپ اپنا نقصان نہ کرنا
بھید کسی نے نہ اس کا پایا
مایا ڈھلتا سایہ
مُورکھ

مایا ڈھلتا سایہ

آنکھیں جن کی میخانے تھیں   نظریں جن کی پیمانے تھیں
کنواری کلیوں کے بستر تھے   سونے کی اینٹوں کے گھر تھے
مل گئی خاک میں اُن کی مایا
مایا ڈھلتا سایہ
مورکھ
مایا ڈھلتا سایہ
زر کی خوشبو سونگھتے تھے جو   کھول کے آنکھیں اونگھتے تھے جو
پاؤں میں پھول مسلتے تھے جو   اونچے ہو کر چلتے تھے وہ
دولت نے ان کو بھی مٹایا
مایا ڈھلتا سایہ
مورکھ
مایا ڈھلتا سایہ

اُس وقت کنارے راوی پر اک دلکش منظر ہوتا ہے

جب رات کی دیوی بستر سے اُٹھ کر انگڑائی لیتی ہے
آکاش کے ساگر میں قدرت جب چاند کی کشتی کھیتی ہے
فطرت جب نیند کی پریوں کے شانوں کو جنبش دیتی ہے
اس وقت کنارِ راوی پر اک دلکش منظر ہوتا ہے

ساون کے رنگیں موسم میں بدمست گھٹائیں جھومتی ہیں
جب حسن کی حسرت میں نظریں راوی کے کنارے گھومتی ہیں
اور گورے گورے اعضا کو لہروں میں چھپ کر چومتی ہیں
اس وقت کنارِ راوی پر اک دلکش منظر ہوتا ہے!

جب یاد کسی کی بستر پر الطاف مجھے تڑپاتی ہے
راتوں کو رونے دھونے میں جب نیند مری اڑ جاتی ہے
جب دور کسی کونے میں دل کے آشا دیپک گاتی ہے
اس وقت کنارِ راوی پر میں اٹھ کر جایا کرتا ہوں!
اشکوں کی زباں سے لہروں کو کچھ یاد دلایا کرتا ہوں

مت جاؤ پردیس

مت جاؤ پردیس
پیا تم
مت جاؤ پردیس
مرجھائیں گی من کی کلیاں کاٹنے کو آئیں گی گلیاں
سونا ہو جائے گا پردیس
مت جاؤ پردیس
پیا تم
مت جاؤ پردیس
پڑ جائے گا مجھ کو ترسنا آنکھ کو آ جائے گا برسنا
دل کو لگ جائیگی ٹھیس!
مت جاؤ پردیس
پیا تم

مت جاؤ پردیس

ہو جاؤں گی میں دیوانی   روٹھے گی بدمست جوانی

کھُل کے رہ جائینگے کیس

مت جاؤ پردیس

پیا تم

مت جاؤ پردیس

پریتم! اب انجان نہیں تم   مالک ہو مہمان نہیں تم!

چھوڑتے ہو کس کارن دیس

مت جاؤ پردیس

پیا تم

مت جاؤ پردیس!

رات کو پی بن نیند نہ آئے

رات کو پی بن نیند نہ آئے!
جی گھبرائے
درد جگر کو کھاتا جائے
غم کا بادل چھاتا جائے
آس کی بستی ڈھاتا جائے
دل کا پنچھی گاتا جائے
رات کو پی بن نیند نہ آئے
جی گھبرائے
پردیسی سے پریت لگا کر
آنکھوں سے برکھا برسا کر
من کو غم کا روگ لگا کر
اب تو کس کارن پچھتائے

رات کو پی بن نیند نہ آئے
جی گھبرائے
رو رو تم کو یاد کروں گی
من کا سکھ برباد کروں گی
تھام کے دل فریاد کروں گی
رام ہمیں اک بار ملائے
رات کو پی بن نیند نہ آئے!
جی گھبرائے

بیت گئی وہ رات سُہانی

بیت گئی وہ رات سہانی
ہائے جوانی
اُبھرا اُبھرا جوبن اُن کا! گورا گورا سا تن اُن کا
لیتا جب رہ رہ انگڑائی رگ رگ میں بجتی شہنائی

ہائے وہ موسم اُف وہ جوانی
بیت گئی وہ رات سہانی
ہائے جوانی

سانس سے انکی گھر کا مہکنا ایک ہی جام میں اُنکا بہکنا
اپنے آپ کا ہوش نہ رہنا کھینچ کے مجھ کو گود میں کہنا
کرسکتے ہو تُم من مانی
بیت گئی وہ رات سہانی
ہائے جوانی

رات گئے نشے کا اُترنا گھبراتے ہوئے اُن کا ڈرنا
آنکھوں سے آنکھیں نہ ملانا دوپٹہ رخ سے نہ ہٹانا
آہ کہاں ہے اب وہ جوانی
بیت گئی وہ رات سہانی
ہائے جوانی

پریم ہے زہری ناگ

شام سویرے تڑپائے گا   خون کے آنسو رلوائے گا
بن کر برہا راگ
پریم ہے زہری ناگ
مُسافر
پریم ہے زہری ناگ
پردیسی! یہ روگ بُرا ہے   جس کو لگا جل راکھ ہوا ہے
آگ ہے اس سے بھاگ
پریم ہے زہری ناگ
مُسافر
پریم ہے زہری ناگ
آگ سی من میں سُلگائیگا   درد کی ٹیسیں بن جائیگا
تھام کے غم کی باگ

پریم ہے زہری ناگ
مُسافر
پریم ہے زہری ناگ
سُکھ لیتا اور دُکھ دیتا ہے   چپکے چپکے ڈس لیتا ہے
من میں بھر دے آگ
پریم ہے زہری ناگ
مُسافر
پریم ہے زہری ناگ

غزلیات

محفلِ عالم کو تڑپاؤں گا اپنے رنگ میں
گرمیٔ بازارِ محشر میرے افسانے میں

الطاف

ابروئے خمدار کی باتیں کریں

ساغرِ سرشار کی باتیں کریں
آؤ چشمِ یار کی باتیں کریں

کیا خبر کب آسماں کر دے جُدا
ہو سکے تو پیار کی باتیں کریں

دے اجازت آبلہ پائی اگر
وادیٔ پر خار کی باتیں کریں

جی رہا ہے کوئی جس اقرار پہ
اُس حسیں انکار کی باتیں کریں

زخمِ دل الطافؔ مرجھانے لگے
ابروئے خمدار کی باتیں کریں

صراحی نے روکا سبو نے صدا دی

نظر سے نظر جو کسی نے ملا دی
جوانی مری جھوم کر مسکرا دی

مریضِ محبت کی ہستی مٹا دی
تبسم کیا اور بجلی گرا دی

وہ آنکھوں میں جب میکدے لے کے گذرے
صراحی نے روکا سبو نے صدا دی

جوانی نے لوٹا مجھے اور میں نے
حسینوں میں اپنی جوانی لٹا دی

یہ آنسو نہیں پھول ہیں باغِ دل کے
جہاں رو دیئے ایک جنت بسا دی

کسی کی نگاہوں نے جب تیر بخشا
تو ناسور نے مسکرا کر دعا دی

گھٹاؤں نے دیکھا سیہ گیسوؤں کو
تو گھبرا کے الطاف گردن جھکا دی

مٹا جو تیرے لئے اسکی یادگار کہاں

بہار بیت گئی اب بھلا بہار کہاں
میں بیقرار کہاں اور روئے یار کہاں
ستم نصیب کا زیرِ فلک مزار کہاں
مٹا جو تیرے لئے اس کی یادگار کہاں
تمہارے گیسوؤں کا عکس جام میں پا کر
گھٹا کی میکشوں کو تابِ انتظار کہاں
وہ انتظار میں میرے تڑپ کے راتوں کو
تمہاری آنکھ سے اشکوں کی اب پھوار کہاں
جدھر بھی جاتا ہوں اطراف لوگ پوچھتے ہیں
ترا شباب کہاں ہے ترا قرار کہاں

لئے جا رہی ہے کدھر عمرِ فانی

ہماری نگاہوں میں ہو کر جوانی
بدل ڈالیں خوابوں سے دنیائے فانی
زباں تھک گئی تو محبت کا قصہ
سنانا پڑا آنسوؤں کی زبانی
نہ میخانہ پیشِ نظر ہے نہ وہ ہیں
لئے جا رہی ہے کدھر عمرِ فانی
لئے اس نے دامن میں موتی سمجھ کر
مزا دے گئی آنسوؤں کی روانی!
فرشتوں کی فطرت سے پاکیزہ تر ہے
تبسم کسی کا ہماری جوانی
میں روتا ہوں الطاف راتوں کو اٹھ کر
ستاتی ہے جب مجھ کو یادِ جوانی

چلے تھے جہاں سے وہاں جا رہے ہیں

یہ پوچھو نہ ہم سے کہاں جا رہے ہیں
جہاں دل کے ہوں قدرداں جا رہے ہیں

محبت کے ماروں کا کیسا ٹھکانا
جہاں چل دیئے بے نشاں جا رہے ہیں

اجازت اگر ہو تو آنکھوں میں رکھ لوں
ترے جلوے کیوں رائیگاں جا رہے ہیں

جنازے کو میرے وہ رُکوا کے بولے
یہ لوٹیں گے کب تک کہاں جا رہے ہیں

یہاں کاٹ کر زندگی کی سزا ہم
چلے تھے جہاں سے وہاں جا رہے ہیں

یہ الطاف آنکھوں سے بہتے ہیں آنسو
ستاروں کے یا کارواں جا رہے ہیں

کوئی بچھڑا ہوا کچھ گا رہا ہے

فریبِ آرزو دل کھا رہا ہے
مجھے برباد کر کے جا رہا ہے

ادھر آنکھیں پڑی ہیں خشک و ویراں
اُدھر رونے کا موسم آ رہا ہے

وہ رخصت ہو رہے ہیں یا مقدّر
قضا کی نیند سوتا جا رہا ہے

مری آنکھوں میں آنسو ہنس رہے ہیں
کوئی بچھڑا ہوا کچھ گا رہا ہے

تمناؤں میں ہلچل پڑ گئی ہے
کوئی تشریف شائد لا رہا ہے

ہوا الطافؔ کو بھی عشق شائد
کہ سینے میں جلن سی پا رہا ہے

مجھے آنسوؤں کی روانی نے لوٹا

نگاہوں کی جادو بیانی نے لوٹا
مجھے ایک شیریں کہانی نے لوٹا

صدا دل کی دھڑکن سے آتی ہے اکثر
جوانی سے بچپنا جوانی نے لوٹا

لہو بن کے آنکھوں کے رستے بہا دل
مجھے آنسوؤں کی روانی نے لوٹا

میں دکھلا کے زخمِ جگر کہہ رہا ہوں
کسی شوخ کی گلفشانی نے لوٹا

جوانی تو الطاف تھی وقفِ صہبا
بڑھاپے کو بھی بند پانی نے لوٹا

یارا نہیں رہا مجھے صبر و قرار کا

یہ حال ہو رہا ہے ترے بیقرار کا
رونے میں کٹ رہا ہے زمانہ بہار کا
کچھ اس طرح لحد پہ میری آکے وہ ہنسے
ہر ذرّہ پھول بن گیا خاکِ مزار کا
کیوں مانگتے ہو میرے لئے موت کی دُعا
اب تو چراغ ہوں میں سرِ رہگذار کا
چھینٹے پڑے ہیں خوں کے جو زنداں سے باغ تک
چھوٹا ہے کوئی قید سے قیدی بہار کا
الطاف رو رہا ہوں میں کس کے وطن کو یاد
یارا نہیں رہا مجھے صبر و قرار کا!

دِل آج بیقرار ہے معلوم نہیں کیوں

آنکھوں میں انتظار ہے معلوم نہیں کیوں
دِل آج بیقرار ہے معلوم نہیں کیوں

وہ آئے آکے چل بھی دیئے اور ابھی تلک
دل محوِ انتظار ہے معلوم نہیں کیوں

حسرت تھی جس جگہ پہ وہاں دل میں آج کل
ننھا سا اک مزار ہے معلوم نہیں کیوں

دل تو چُرا چُکے ہو مگر مجھ کو آپ پر
اب تک بھی اعتبار ہے معلوم نہیں کیوں

الطاف جب سے آگیا ہے روٹھنا انہیں
رونے سے مجھ کو پیار ہے معلوم نہیں کیوں

ساقی کی نگاہوں پہ ایمان لُٹا بیٹھے

ساقی کی نگاہوں پہ ایمان لُٹا بیٹھے
ایمان تو لُٹنا تھا ہم جان لُٹا بیٹھے

پھر دید کی لذت کیا پھر وصل کی خواہش کیوں
جب دل سی حسیں شے ہی انسان لُٹا بیٹھے

اُمید تھی ملنے کی اس آس پہ جیتے تھے
جینے کا یہی اک تھا سامان لُٹا بیٹھے

ہستی ہے نہ مستی ہے پیری نہ جوانی ہے
اب کچھ بھی نہیں تیرے قربان لُٹا بیٹھے

الطاف جوانی اک مخمور زمانہ تھا
افسوس اُسے بھی ہم نادان لُٹا بیٹھے

سسکیاں لے لے کے ہم روتے رہے

وہ عدو کی گود میں سوتے رہے
سسکیاں لے لے کے ہم روتے رہے

تیرِ مژگاں کی سُنی آمد تو ہم
رات بھر زخموں کا مُنہ دھوتے رہے

زندگی تھی عیش و عشرت کے لئے
ہم بتوں کی یاد میں کھوتے رہے

یاد کرکے اُن کی باتیں رات بھر
حضرتِ الطاف خوں روتے رہے

سوئی پڑی ہیں درد کی ٹیسیں شور ہوا اُٹھ جائینگی

نیچی نیچی نظریں اُن کی کب تک تیر چلائیں گی
ترکش ہوگا خالی جس دم خود ہی وہ رک جائیں گی
ہولے ہولے تیر کو کھینچو اتنی جلدی کس کارن
سوئی پڑی ہیں درد کی ٹیسیں شور ہوا اُٹھ جائیں گی
میٹھا میٹھا درد جگر کا شب کو خون رُلائے گا
کالی کالی زلفیں اُن کی دوش پہ جب لہرائیں گی
موت سے پہلے مرتا ہوں الطاف سُنا ہے تربت پر
گوری گوری انگلیاں اُن کی شوق سے پھول چڑھائینگی

ہماری بیکسی پر بھی کبھی تم نے نظر کی ہے

عید کے دن پردیس نے شاعر کی خدمت میں یہ چند شعر
اور کچھ آنسو تحفتاً پیش کئے

لہو روئے ہمارے آبلے خاکِ بیاباں پر
شفق کے رنگ میں سرخی عیاں زخمِ جگر کی ہے

وطن والو مبارک ہوں تمہیں گھڑیاں مسرت کی
ہماری بیکسی پر بھی کبھی تم نے نظر کی ہے

چمن آرائے کُن ہی جانتا ہے اس حقیقت کو
توقع کب تلک نخلِ تمنا سے ثمر کی ہے!

وطن میں عید کی خوشیاں گلے ملنے سے ہوتی ہے
یہاں اک صورتِ حسرت نما دیوار و در کی ہے

رہے زندہ تو مل لیں گے وطن کے ہمنواؤں سے
ابھی شامِ جوانی میں جھلک نورِ سحر کی ہے

کاش دُنیا میں ہمارا بھی سہارا ہوتا

کاش دُنیا میں ہمارا بھی سہارا ہوتا
اتنے غیروں میں کوئی ایک ہمارا ہوتا

ناخدا ہوتا اگر اہلِ محبت کا خدا
کشتیٔ عشق کو طوفاں بھی کنارا ہوتا

کیوں تڑپتا شبِ فرقت میں مریضِ الفت
جُز تری دید کے گر اور بھی چارا ہوتا

تیرے کُوچے سے یہ حسرت ہی لئے جاتے ہیں
کاش اک روز لبِ بام نظارہ ہوتا

ٹھوکریں کھاتا نہ الطاف سا خوددار کبھی
اُس کا پردیس میں گر کوئی سہارا ہوتا

میرے زخموں کو تیروں سے محبت ہوتی جاتی ہے

مجھے پھر اک ستمگر سے محبت ہوتی جاتی ہے
الٰہی! دن بدن کیسی طبیعت ہوتی جاتی ہے

جفائیں ختم ہو جائیں گی جب اُن کی تو کیا ہوگا
کہ مجھ کو رنج و غم سہنے کی عادت ہوتی جاتی ہے

اُتر کر رہ گئی ہیں جب سے نظریں اُن کی سینے میں
میرے زخموں کو تیروں سے محبت ہوتی جاتی ہے

وہ بنیادیں گلستانوں کی رکھ سکتے ہیں پانی پر
اُنہیں روتے ہیں ہنس دینے کی عادت ہوتی جاتی ہے

مجھے الطافؔ رُسوا کر دیا صہبا پرستی نے!
جوانی بھی مری وقفِ مُصیبت ہوتی جاتی ہے

درد جب حد سے بڑھا خود ہی دوا ہو جائیگا

بے وفا اک دن وفا سے آشنا ہو جائیگا
ہوتے ہوتے دیکھ لینا وہ مرا ہو جائیگا

چھوڑ دے اب اے مریضِ غم تلاشِ چارہ گر
درد جب حد سے بڑھا خود ہی دوا ہو جائیگا

سجدہ ریزی آستاں پہ اُسکے گر جاری رہی
شیخ صاحب ایک دن وہ بُت خدا ہو جائیگا

بے نشہ ہیں خُم کے خُم پی کر بھی اہل میکدہ
گھول دو گر مے میں کچھ نظریں تو کیا ہو جائیگا

اس جوانی میں تو پینے دو غریب الطاف کو
عمر ڈھل جانے پہ وہ بھی پارسا ہو جائیگا

کسی کا عشق لحد میں اُسے اُتار آیا

کسی کا عشق لحد میں اُسے اُتار آیا
مگر مریض کو ابتک نہیں قرار آیا

ٹپک پڑے میری آنکھوں سے گلستاں اکثر
چمن میں جھُوم کے جب موسمِ بہار آیا

قدم قدم پہ دیئے مجھ کو دوستوں نے فریب
مگر نہ شیشۂ دل پر کبھی غبار آیا

دیارِ یار کے ذرّوں میں دل ہیں خوابیدہ
جدھر نگاہ اٹھائی نظر مزار آیا

ذرا سی پینے میں الطاف ہوگئے بدنام
لبوں پہ نام تمہارا ہی بار بار آیا!

تجھے آج سے ہم خدا کر رہے ہیں

ترے در پہ سجدہ ادا کر رہے ہیں
تجھے آج سے ہم خدا کر رہے ہیں

دعا دے رہے ہیں مجھے زندگی کی
کوئی ان کو روکو یہ کیا کر رہے ہیں

یہ کن مست آنکھوں کے ڈورے گلابی
شرابی مجھے برملا کر رہے ہیں

بُرا ہو نصیبوں کا الطاف اُن سے
جوانی میں مجھ کو جدا کر رہے ہیں

دِل کو وقفِ لذتِ آزار رہنے دیجئے

دل میں میرے خنجرِ خونخوار رہنے دیجئے!
مجھ کو کچھ دن اور بھی بیمار رہنے دیجئے

وصل کے وعدے سے چھن جائے نہ دولت درد کی!
دِل کو وقفِ لذت آزار رہنے دیجئے

بن رہا ہے خون کی بوندوں سے مرا داماں چمن
اشکباری سے کوئی دن پیار رہنے دیجئے

جائیے الطافؔ کی تربت پہ پڑھ دُعا!
اس کے دل میں حسرتِ دیدار رہنے دیجئے

خدا کرے تیرے دل کو بھی اب قرار آئے

غریب خانے میں وہ شوخ ایک بار آئے
الٰہی اُجڑے گلستاں میں پھر بہار آئے

سُنا جو آنسوؤں نے دل سے اُن کی آمد کا
تو آنکھ میں پئے تعظیم بار بار آئے

لپٹ کے روتے ہیں چھالے ہمارے قدموں کے
دیارِ یار میں جس وقت کوئی خار آئے

وہ رو کے کہتے ہیں الطاف مجھ سے وقتِ وداع
خدا کرے تیرے دل کو بھی اب قرار آئے

اُن کے لب پر غم کی کوئی بات تھی

اُن کے لب پر غم کی کوئی بات تھی
میری آنکھوں میں لگی برسات تھی
موت کی بجلی گرا کر چل دیئے
زندگانی میری جن کے ہاتھ تھی!
بانٹ دی حصّے کی اُن کے تیر کو
درد ہی اے دل تری سوغات تھی
میرے پہلو میں تھے جب لطافؔ وہ
کیا کہوں اُس رات کا کیا رات تھی

ذرا سا ستم اور ڈھاتا چلا جا

تبسّم کی بجلی گراتا چلا جا
ترے صدقے مجھ کو مٹاتا چلا جا
مزا آ رہا ہے تڑپنے میں مجھ کو
ذرا سا ستم اور ڈھاتا چلا جا
تجھے ہوش میں آ کے رُسوا نہ کر دوں
نگاہوں سے پھر کچھ پلاتا چلا جا!
جوانی ہو الطافؔ یا عہدِ پیری
رہِ عشق میں سب لٹاتا چلا جا

پی کے ہو آج نصیحت تو مزا آجائے

اُن کو ہو مجھ سے محبت تو مزا آجائے
اور غیروں سے ہو نفرت تو مزا آجائے

عشق تو میری طرح اُن کو بھی رسوا کر دے
اتنی ہو جائے مروّت تو مزا آجائے

جب بھی جی چاہے تصوّر میں بلا لوں اُن کو
مجھ کو حاصل ہو یہ قدرت تو مزا آجائے

ناصحا کچھ بھی اثر کرتی نہیں یہ باتیں!
پی کے ہو آج نصیحت تو مزا آجائے

ڈھونڈتے مجھ کو نظر آؤ گلی کوچوں میں
ایسا کر دے جو محبت تو مزا آجائے

درد اٹھتا تو ہے الطاف مگر میں چپ ہوں
مجھ کو رونے کی ہو عادت تو مزا آجائے

اِسی طرح سے مجھے بیقرار رہنے دے

دِل و جگر کو مرے داغدار رہنے دے
کسی کی سینے میں ہے یادگار رہنے دے

لبوں پہ موجِ تبسم ہو آنکھ میں آنسو
خزاں میں پرتوِ رنگِ بہار رہنے دے

شکستِ لذتِ گریہ ہے کربِ روحانی
میں اشکبار بھلا اشکبار رہنے دے

نہیں نہیں مجھے راحت کی آرزو ہی نہیں
اِسی طرح سے مجھے ~~اشکبار~~ رہنے دے
بیقرار

نہ موجِ اشکِ حسیناں پہ بھول اے الطاف
نہ ڈھونڈ اِن میں دُرِ شاہوار رہنے دے

اللہ مری آنکھ میں بتخانہ بنادے

اے جوشِ جنوں آ مجھے دیوانہ بنادے
یا عشق کی دنیا ہی سے بیگانہ بنادے

اُس شوخ کی اللہ رے وہ مست نگاہی
کعبہ کو بھی گر چاہے تو میخانہ بنادے

مجنوں کی طرح تھامے ہوئے دل کو پھروں میں
اے دردِ کہیں اُٹھ کے تُو ایسا نہ بنادے

ہر جا پہ نظر آئے مجھے حسن کا عالم
اللہ مری آنکھ میں بت خانہ بنادے

الطاف مرا عشق بھی کس درجہ حسیں ہے!
جس جا پہ مچل جائے پری خانہ بنادے

تجھے ساری دنیا میں مشہور کردوں

ترے جورِ بے حد کا مذکور کر دوں
تجھے ساری دنیا میں مشہور کردوں

بتا کر تمہیں دِل کی شانِ محبّت
ابھی پیار کرنے پہ مجبور کر دوں

نظر میں تڑپتے ہیں جلوے ہزاروں
میں چاہوں تو ہر کوہ کو طور کر دوں

لہو بہ کے آنکھوں سے کیوں رائیگاں ہو
انہیں حالِ دل اپنا مسطور کر دوں

میں الطاف رنگین نوائی سے اپنی
فضائیں زمانہ کی معمور کر دوں

زمیں دشمن مخالف آسماں ہے

زمیں دشمن مخالف آسماں ہے
کرم تیرا کدھر یا رب، کہاں ہے؟
درِ پیرِ مُغاں پر ڈھونڈتا ہوں
مری ٹوٹی ہوئی توبہ کہاں ہے؟
جسے بجلی تُلی ہے پھونکنے پر!
وہ مجھ بربادِ غم کا آشیاں ہے
اُٹھا لے آشیاں بُلبُل چمن سے
غضب آلود چشمِ باغباں ہے
مجھے کہنا ہے جو کچھ ان سے الطاف
وہ میری خامشی سے خود عیاں ہے!

دیارِ محبّت میں سجدے بچھا دیں

ذرا روئے تاباں سے پردہ ہٹا دیں
میرے خرمنِ دل پہ بجلی گرا دیں
نگاہوں کے میخانے سے کچھ پلا دیں!
نہیں تو گھٹاؤں کو پیچھے ہٹا دیں
عروسِ بہار آ رہی ہے چمن میں!
قفس کو لہو رو کے رنگیں بنا دیں
نہ جانے وہ کس راہ سے ہو کے گذریں
دیارِ محبت میں سجدے بچھا دیں
وہ الطاف گھر میں ہمارے جو آئیں
خدا کی قسم گھر کو جنت بنا دیں

لیٹا ہوا ہوں سایۂ غربت میں گھر سے دور

لیٹا ہوا ہوں سایۂ غربت میں گھر سے دور
دل سے قریں ہیں اہلِ وطن اور نظر سے دور

اللہ رے نصیب کہ پائی ہے وہ فغاں
جو عمر بھر رہی ہے فریبِ اثر سے دور

وہ کوئی زندگی ہے جوانی ہے وہ کوئی!
اے دوست جو ہے تیرے جمالِ نظر سے دور

کیا آئی تیرے جی میں کہ تقدیر یوں مجھے
پھینکا ہے لا کے وادیٔ غربت میں گھر سے دور

اے حسنِ بے پناہ بتا ئے کوئی مجھے
دنیا کی کون چیز ہے تیرے اثر سے دور

الطاف ناز اپنی گدائی پہ ہے مجھے!
دامن ہے اس کا سایۂ لعل و گہر سے دور

یہ بھیگی ہوئی رُت یہ فسوں ساز ہوائیں

یہ بھیگی ہوئی رُت یہ فسوں ساز ہوائیں
للّٰہ وہ ایسے میں مجھے یاد نہ آئیں!

آؤ کہ میری آنکھ سے آنسو نہیں تھمتے!
آؤ کہ انہیں مل کے ذرا دیر سلائیں

پربت کے پرے جن میں چھلکتی ہے گلابی
اُن مست نظاروں میں کبھی خود کو گنوائیں

جانے کو تو اُس بزم میں جانا ہی پڑے گا
اے دوست مگر ڈر ہے کہ کچھ بھول نہ آئیں

الطاف ترے درد میں ڈوبے ہوئے نغمے
اُس چشمِ فسوں ساز کو پرنم نہ بنائیں

گرمیٔ بازارِ محشر میرے افسانے میں ہے

پھر چھلکنے کو مئے گلرنگ پیمانے میں ہے
آج شاید شیخ پنہاں نوش میخانے میں ہے

اک ہجومِ یاس و غم ہے اور شبِ ہجراں دراز
رونقِ محفل مرے تاریک کاشانے میں ہے

بیخودی چھا جائے جس سے کائنات ہوش پر
وہ مئے دو آتشہ کیا تیرے پیمانے میں ہے؟

چشمِ ظاہر میں چراغِ شام ہے آتش بہ سر
پر کہاں وہ سوزشِ پنہاں جو پروانے میں ہے

محفلِ عالم کو تڑپاؤنگا اپنے رنگ میں
گرمیٔ بازارِ محشر میرے افسانے میں ہے

شمعِ ہستی بجھا کے دیکھ لیا

اُن کی محفل میں جا کے دیکھ لیا
دِل کو بسمل بنا کے دیکھ لیا!

زندگی پردہ دارِ غم نہ ہوئی
ہر طرح آزما کے دیکھ لیا!

نہ بجھے پھر بھی داغِ دل نہ بجھے!
شمعِ ہستی بجھا کے دیکھ لیا!

تیرے تلووں کو پا سکی نہ جبیں!
در پہ سجدے بچھا کے دیکھ لیا!

چشمِ میگوں سے پینے والوں نے
خُم کو منہ سے لگا کے دیکھ لیا

نگاہِ مست میں کیا رنگِ والہانہ تھا

نگاہِ مست میں کیا رنگِ والہانہ تھا
سرورِ کیف میں ڈوبا ہوا زمانہ تھا!
کسی کی اٹھتی جوانی کا جب زمانہ تھا
مری نگاہ کا ہر فعل شاعرانہ تھا!
ستم نصیب کی اللہ رے سوختہ بختی
ہے بجلیوں کا نشیمن جو آشیانہ تھا
ازل سے قیدِ عناصر عطا ہوئی مجھ کو!
مرے نصیب میں زنداں کا آب و دانہ تھا
وفورِ درد سے جب ہچکیاں سی آنے لگیں
ہر ایک زخم کے لب پر مرا فسانہ تھا
وطن میں حضرتِ الطاف زندگی اپنی
بہارِ خلدِ محبت کا اک فسانہ تھا!

اگر تم کو دیارِ غیر ہی آباد کرنا تھا

اگر تم کو دیارِ غیر ہی آباد کرنا تھا
مری پرکیف راتوں کو نہ یوں برباد کرنا تھا

قفس میں آشیاں میری نظر کے سامنے رہتا
تسلی کیلئے اتنا تو اے صیاد کرنا تھا!

ابھی سے تھمنے والے دردِ باطن یہ بھی سوچا ہے
دلِ ناشاد کو کچھ اور بھی ناشاد کرنا تھا!

سراپا کھونے والو شہر کی رنگین فضاؤں میں
کبھی تو گاؤں کے ہمجولیوں کو یاد کرنا تھا

چلو اے صحرا نشیں ہم بھی تمہارے پاس آتے ہیں
کبھی تو دلنشیں ہونٹوں سے یہ ارشاد کرنا تھا!

لپٹ کر انکے قدموں سے کہا خاکسترِ دل نے
تسلی ہو گئی ہے بس اسقدر برباد کرنا تھا؟

اگر کتنی قضا دم بھر تو دودِ آہ سے مجھ کو
تہِ گردوں نیا اک آسماں ایجاد کرنا تھا

لکھا ہے خونِ دل سے آج میں نے اپنے محسن کو
کبھی بھولے سے الطافِ حزیں کو یاد کرنا تھا

مضطرب ہے آج اک رنگین قبا میرے لئے

مستیاں آنکھوں کی صہبا میں ملا میرے لئے
آسماں سے چاند کا ساغر اٹھا میرے لئے

کیوں نہ ہو جنت یہ عالم کی فضا میرے لئے
مُضطرب ہے آج اک رنگیں قبا میرے لئے

روتے روتے ان کی بینائی کی قوت چھن گئی!
تو نے اے قاصد بتا یہ کیا کہا میرے لئے؟

طُور کو جلوؤں پہ اپنے ناز پھر ہونے لگا!
پھر ذرا اٹھو نگھٹ اٹھا بجلی گرا میرے لئے!

رو کے وہ کہنے لگے الطاف سے وقتِ وداع
خاک میں رنگیں جوانی مت ملا میرے لئے

غزل

دل میں کسی کے غم کا بسیرا ہے آج کل
آنکھوں کی پتلیوں میں اندھیرا ہے آج کل

زلفوں کے بادلوں میں ہیں عارض کی بجلیاں
شب کو کسی کے دم سے سویرا ہے آج کل

مونس ہیں حسرتیں تو تمنائیں غمگسار
ہمجولیوں نے یوں مجھے گھیرا ہے آج کل

وہ میرے کیا ہوئے ہیں سمجھنے لگا ہوں میں
خوابوں کی بستیوں میں بسیرا ہے آج کل

آنکھوں کی ندیوں میں ہے طغیانیوں کا زور
لب پر ہجوم آہ کا ڈیرا ہے آج کل

الطاف اُن کی مست نگاہوں کی خیر ہو
جن کے کرم سے میکدہ میرا ہے آج کل

دل میں نظر کے ساتھ ہی خود آگئے ہیں وہ

پھر کائناتِ یاد پہ لہرا گئے ہیں وہ
سینے میں ایک آگ سی سلگا گئے ہیں وہ

اللہ رے چشمِ شوخ کا نظارۂ حسیں
دل میں نظر کے ساتھ ہی خود آگئے ہیں وہ

اے آرزوئے دید نگاہوں کا کیا قصور
اٹھتے ہی ان کے بام پہ شرما گئے ہیں وہ

روتی ہے آرزو مری سینے پہ رکھ کے ہاتھ
شاید نظر کے تیر سے برما گئے ہیں وہ

الطاف آ رہے تھے اٹھائے ہوئے نقاب
پاتے ہی مجھ کو راہ میں گھبرا گئے ہیں وہ!

متفرق نظمیں

یہی ہوگا نتیجہ بیکسوں کی آہ وزاری کا
کہ ٹکڑے ہو کے رہ جائیگا بُت سرمایہ داری کا

الطاف

تصوّر

تصوّر اے تصوّر رحم فرما ہم غریبوں پر
اُداسی ہی اُداسی چھا رہی ہے غم نصیبوں پر
بس اتنا ہو جوانی لمحہ بھر کو منہ دکھا جائے
ہماری جاگتی بےچینیوں کو نیند آ جائے
کہیں شاداب ٹیلوں کے کنارے سو رہے ہوں ہم
کہیں ماحول میں گیتوں کی کھیتی بو رہے ہوں ہم
جگر کو تھام کر دھیمے سُروں میں گا رہے ہوں وہ
تمناؤں کو ٹھکرا کر مری چھپا رہے ہوں وہ
کہیں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر آنسو بہا دیں ہم
کہیں باہوں میں باہیں ڈالتے ہی مسکرا دیں ہم
کہیں ہم پھول بن کر کھل رہے ہوں لالہ زاروں میں
کہیں بیباکیاں کرتے نظر آئیں بہاروں میں
کہیں ہم لڑکھڑا کر چل رہے ہوں شاہراہوں پہ

نہا کر دھر رہے ہوں وہ کہیں احسان زلگا ہوں پہ
کہیں زلفوں سے باندھا جا رہا ہو میری باہوں کو
کہیں ہنس ہنس کے روکا جا رہا ہو میری آہوں کو
تصوّر اے تصوّر رحم فرما ہم غریبوں پر!
اُداسی ہی اُداسی چھا رہی ہے غم نصیبوں پہ

غریب اور نظارے

ستم شعار نظارو! بہت غریب ہوں میں
شعاعِ مہر کی ہنستی ہوئی سنہری کمند
دیارِ دل میں خدارا نہ ڈال اپنا سمند
حسین غنچو! تمہیں اپنی دلکشی کی قسم!
نظر ملا کے کرو اس طرح نہ وقفِ الم
گلو! نہ دیکھ کے اس طرح مسکراؤ مجھے

پیامِ موت، جوانی میں مت سناؤ مجھے

بہارِ باغِ جہاں کی حسین دوشیزہ
بچا کہ پھٹ نہ پڑے آنسوؤں کا مشکیزہ

اُداس ٹیلوں میں گونجی ہوئی سی بانگِ درا
ستم نصیب محبت ہوں بجلیاں نہ گرا

نسیمِ صبح کے جھونکو! ذرا کرم کی نگاہ
کہ خیمہ زن ہے میرے دل میں حسرتوں کی سپاہ

بساطِ چرخ پہ بکھرے ہوئے حسین تارو!
میں اس عتاب کے قابل نہیں رہا پیارو
ستم شعار نظارو! بہت غریب ہوں میں

ایک بیتی ہوئی رات

اے سکھی وہ رات آئیگی کبھی پھر لوٹ کر؟

جب سہانی بیریوں میں گاؤں کے نالے سے پار
ہو رہے تھے مجھ ابھاگن کے لئے وہ بیقرار
جب بہانہ کھیلنے کا میں بنا کر آئی تھی
تھپکیوں سے ننھے بھائی کو سُلا کر آئی تھی
جلدی جلدی لوٹ کر آنا کہا تھا باپ نے
کوئی ایسا گیت مت گانا کہا تھا باپ نے
ہولے ہولے ماں نے بھی مجھ سے کہا تھا کان میں
گم نہ ہو جانا کسی کی بانسری کی تان میں
اپنے چھپر سے بڑے بھائی نے دی تھی یہ صدا
لڑکیوں کا رات کو پھرنا کبھی دیکھا نہ تھا
اے سکھی! تو راہ میں مجھ سے ملی تھی یاد ہے؟

میرا دل تو آجتک اُس یاد سے آباد ہے
تو نے پوچھا تھا کہ کیوں پھُولی ہوئی سی سانس ہے
کیا کسی کی یاد کی سینے میں تیرے پھانس ہے
اے سکھی وہ رات آئیگی کبھی پھر لوٹ کر؟

چرواہی

اے جوانی کے حسیں خوابوں کی متوالی بہار!
چھوڑ دے بھیڑیں مرے کھیتوں میں او گیسو سنوار
آہ کانٹے چبھ رہے ہیں تیرے نازک پاؤں میں
بیٹھ جا کچھ دیر اس شیشم کی ٹھنڈی چھاؤں میں
جم رہی ہیں پپڑیاں ہونٹوں پہ تیرے پیاس سے
وہ اُٹھا لا چھاچھ کا برتن لپک کر گھاس سے
کھینچ کر آنچل ذرا سینے کو اپنے ڈھانپ لے
راز تیری نوجوانی کا نہ کوئی بھانپ لے

کوئی بانکا نوجواں کر دے نہ تجھ کو بیقرار
زندگی تیری نہ ہو جائے الم سے ہمکنار
تیری آنکھوں میں نہ آنسو مسکرانا سیکھ جائیں
رس بھرے ہونٹوں پہ آہیں گنگنانا سیکھ جائیں
دل کی خواہش ہے کہ کھیتوں پر تری شاہی رہے
جب تلک زندہ ہے تو اک مست چرواہی رہے

دیہات کا عشق

رات کی دیوی کا دھندلا کارواں
چپکے چپکے سوئے منزل ہے رواں
لوٹتی ہے کوہساروں کی قطار
خواب کی دیوی کے جوبن کی بہار
بانسری کی درد میں ڈوبی صدا
بازوؤں پر کے کے گذری ہے ہوا
آسماں پر جگمگاتی بستیاں
جھومتی رہتی ہیں جن میں مستیاں
نیند کا برسا کے کرنوں سے خمار
بیقراروں میں لٹاتی ہیں قرار
گا رہا ہے دور کوئی کھیت میں
چند دہقاں سو رہے ہیں ریت میں

ہے سراپا منتظر اک نوجواں ! گنگناتی جھاڑیوں کے درمیاں
ایک دوشیزہ بھی اٹھلاتی ہوئی آ رہی ہے گیت برساتی ہوئی
سُرخ تہمد کے سرکنے کی صدا کر رہی ہے حشر عالم میں بپا
چلتے چلتے جھاڑیوں میں رُک گئی نوجواں کے بازوؤں میں جھک گئی

آ رہی تھی جھوم کر گاتی ہوئی
روحِ نظارہ کو گرماتی ہوئی

بیمارِ محبّت

اے سوختہ جاں آہ ترا عہدِ جوانی دل وقفِ الم آنکھ سے اشکوں کی روانی

کیا بات ہے کس واسطے یہ حال ہے تیرا
کیوں بھیگا ہوا یہ شمیں رومال ہے تیرا
کیوں تیری نگاہوں سے برستے ہیں فسانے
اف ہونٹوں پہ آنے کو ترستے ہیں فسانے
کیوں تیری طرف کس لئے دیکھا نہیں جاتا

ہونٹوں کو ترے میں کبھی خنداں نہیں پاتا
یہ سوز کے آغوش میں سویا سا ترنّم
کیوں چھینتا ہے میرے لبوں سے بھی تبسّم
حیراں ہوں کہ تو رات کو کیوں سو نہیں سکتا
کیوں داغ ترے دل کا کوئی دھو نہیں سکتا
کیا بات ستاروں سے تو کرتا ہے شبوں کو
ہر آن یہ کیا آہ سی بھرتا ہے شبوں کو
کس چیز کو کرتا ہے گلستاں میں اشارہ
پاگل نہ بنا دے تجھے پھولوں کا نظارہ
اے سوختہ جاں آہ ترا عہد جوانی　　دل وقفِ الم آنکھ سے اشکوں کی روانی

گاؤں کو جاتے ہوئے

السلام اے ہمنشیں اب گاؤں کو جاتا ہوں میں
شہر کے آباد ویرانے سے گھبراتا ہوں میں
رو رہی ہو گی کوئی معصوم میری یاد میں
ہو رہی ہو گی فضا مغموم میری یاد میں
لوگ دل میں سوچتے ہونگے کہ یہ زہرہ جبیں
کچھ دنوں سے کیا خبر ہے کس لئے اندوہگیں
ماں نے لوگوں سے کہا ہو گا کہ یہ بیمار ہے
دل کی دھڑکن کا اسے کچھ روز سے آزار ہے
لوٹنے کیواسطے پھولوں سے قدموں کا شباب
کھیت کی مغموم راہیں ہونگی وقفِ اضطراب
چومنے کو مدھ بھری آنکھوں کے جام پُر خمار
ہو رہے ہونگے چراگاہوں کے منظر بیقرار!

لے کے ہونٹوں میں مری شیریں ادا کے نام کو
شبنمیں آنسو بہاتی ہونگی کرنیں شام کو
چُوسنے کے واسطے لچکیلی تانوں کی مٹھاس
ہو رہے ہونگے در و دیوار غمگیں اور اُداس
ہمنشیں پہنچو لگا جونہی سادہ گلیوں کے قریب
پھُول کی مانند کھل جائیگی میری غم نصیب
آنکھ پُر نم اور دل میں آتش بے دُود ہے
دوست جانے دے مجھے اب روکنا بے سود ہے

شیطان

میں اکثر سوچتا ہوں کس قدر ناداں ہے دُنیا
وہ جس کے نام سے موسیقیوں کا رس ٹپکتا ہے
شمیم جانفزا کا مخملیں دامن مہکتا ہے!
وہ جس کی مسکراہٹ میں ستارے جھلملاتے ہیں

وہ جس کے عنبریں لہجے میں ساغر گنگناتے ہیں
وہ جس کی یاد میں بد مستیاں پہلو بدلتی ہیں
جوانی کی حسیں پریاں شرابی ہو کے چلتی ہیں
تصور میں کبھی جب جھوم کر آنکھیں ملاتا ہے
تو میرے ناتواں ہاتھوں سے ساغر چھوٹ جاتا ہے
وہ جس کے سایۂ رحمت سے جنت جھینپ جاتی ہے
تھکے ہارے ہوؤں کو راحتوں کی نیند آتی ہے
شریعت جس کی خوابوں سے حسیں معلوم ہوتی ہے
حسینوں کے نقابوں سے حسیں معلوم ہوتی ہے
گناہوں سی حسیں شے جس نے دنیا کو عطا کی ہے
ترنم آفریں شے جس نے دنیا کو عطا کی ہے
وہ خودداری کے دریا جس کی شریانوں میں بہتے ہیں
سمجھ سکتا نہیں میں کیوں اُسے شیطان کہتے ہیں
میں اکثر سوچتا ہوں کس قدر ناداں ہے یہ دنیا

اے ہند تیری بزم پہ چھانے لگا ہوں میں

اجڑے ہوئے وطن کو بسانے لگا ہوں میں
ہر غنچۂ آرزو کا کھلانے لگا ہوں میں

رگ رگ میں جس سے روحِ شجاعت ہو بیقرار
وہ گیت خاص لے میں سنانے لگا ہوں میں

جامِ مئے حیات کی شیرینیوں سے بھر
ہندوستاں کی پیاس بجھانے لگا ہوں میں

کہدو یہ اہلِ دہر سے فرصت نہیں مجھے
اک مشورے کو عرش پہ جانے لگا ہوں میں

لے کر جلو میں کیفِ جوانی کا کارواں
اے ہند تیری بزم پہ چھانے لگا ہوں میں

ہر لے میں جس کی رازِ مسرت ہے مضطرب
اس بانسری کو منہ سے لگانے لگا ہوں میں

ہندوستان فخر کرے جس پہ عمر بھر
وہ گیت جھوم جھوم کے گانے لگا ہوں میں

چرواہا اور دودھ والی

مہکے ہوئے ہونٹوں سے اک گیت سناتی جا ممکن ہو تو آنکھیں بھی آنکھوں سے ملاتی جا
اے جانِ جہاں مجھ کو مدہوش بناتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

اس جلدی میں برتن سے امرت نہ چھلک جائے دودھ کے پیالوں سے دامن نہ سرک جائے
اُبھرے ہوئے جوبن کو نظروں سے بچاتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

جب وقتِ سحر اُٹھ کر تو دودھ بلوتی ہے اس وقت تمنا کیوں دل تھام کے روتی ہے

مجھ درد کے مارے کو یہ راز بتاتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

آہٹ ترے قدموں کی جب دور سے آتی ہے
سوئی ہوئی ٹیسوں کے شانوں کو ہلاتی ہے
پھر نیند کی مے ان کو للّٰہ پلاتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

تو مست خرامی سے جب گاؤں میں چلتی ہے
اللہ ہی جانے کیوں بھاوج میری جلتی ہے
میں آنکھ سے کہتا ہوں ہاں اور جلاتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

کل پچھلے پہر تجھ کو میں بیر کھلاؤں گا
اور رس بھرے شلغم بھی تیرے لئے لاؤنگا
تو بدلے میں دونوں کے اک گیت سناتی جا
کچھ دودھ گگریا سے للّٰہ پلاتی جا
ممنون بناتی جا

بارش ہو نہ برسوں تک اور ملک اجڑ جائے — کیا تجھ کو اگر سب سے تقدیر بگڑ جائے

ہنس ہنس کے تو گلیوں میں بس ماہیا گاتی جا

کچھ دودھ گگریا سے للہ پلاتی جا

ممنون بناتی جا

اُلجھا تیرے دامن سے جو اُسکو مٹا دونگا — میں باغ کا پودا بھی بھیڑوں کو کھلا دونگا

تو میرے بھروسے پر پربت کو جھکاتی جا

کچھ دودھ گگریا سے للہ پلاتی جا

ممنون بناتی جا

تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

ترے ہونٹوں سے اب پھولوں کی گو بارش نہیں ہوتی

شفق رنگینیوں کا بیج گالوں میں نہیں بوتی

مگر بجتا ہے نظروں میں جوانی کا رباب اب تک

تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

لچک سے ہو گئیں محروم گو تیری حسیں باہیں
ملیں گیتوں کے بدلے میں تجھے محشر بکف آہیں
برستی ہے مگر آنکھوں سے تھم تھم کر شراب اب تک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب اب تک

تری زلفوں کا بادل بھی اڑاتے ہیں مذاق اب تو
گوارا ہے جوانوں کو بھی گو تیرا فراق اب تو
مگر نظریں الٹ دیتی ہیں زخموں سے نقاب اب تک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب اب تک

ترے گیتوں میں گو اب مستیاں کروٹ نہیں لیتیں
ہنسی کی مشعلیں تاریکیوں میں لو نہیں دیتیں
مگر دو پتلیاں شمس و قمر کا ہیں جواب اب تک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب اب تک

تری سانسوں سے گو اب جنتیں پرہیز کرتی ہیں
گلوں کی نکہتیں ہونٹوں پہ لہرانے سے ڈرتی ہیں
کھلا ہے سرخ ڈوروں میں مگر گلشن کا باب اب تک

تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری انگڑائیوں میں میکدے گو اب نہیں پلتے
ستاروں کے دیئے تیرے تبسّم میں نہیں جلتے
مگر چشمِ حسیں کرتی ہے زاہد کو خراب اب تک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

تری باتوں میں گو موسیقیوں کا رس نہیں باقی
نہیں ہے دلکشی کا قافلہ کوئی کہیں باقی
لرزتے ہیں مگر مژگاں میں لچکیلے سے خواب ابتک
تری آنکھوں میں آوارہ ہے نغموں کا شباب ابتک

غلاموں کا ترانہ

آزادی کے سانپ سے بچنا　　بربادی کے سانپ سے بچنا
آزادی کا روگ لگا کر　　جیون کی پونجی لٹوا کر
ٹھنڈی آہیں بھرتے ہیں ہم

آزادی سے ڈرتے ہَیں ہم

ٹوپی والے کا سچ کہنا آزادی سے بچ کر رہنا
آزادی برباد کرے گی جیون سے آزاد کرے گی

پابندی پر مرتے ہَیں ہم
آزادی سے ڈرتے ہَیں ہم

خوشیوں کی سرتاج غلامی اپنے لئے سوراج غلامی
بانکی ترچھی راجکماری کتنی سُندر کتنی پیاری

اس کی پوجا کرتے ہَیں ہم
آزادی سے ڈرتے ہَیں ہم

آقا اپنا کتنا اچھا اور نہ ہوگا اتنا اچھا
آساں کردی کھیتی باڑی سیر کو حاضر موٹر گاڑی

پاؤں نہ نیچے دھرتے ہَیں ہم
آزادی سے ڈرتے ہَیں ہم

ظُلم کا پرچم لے شانوں پر ڈاکہ ڈالیں ایمانوں پر
آنچ جو آئی مہمانوں پر کھیلیں گے اپنی جانوں پر

اُن سے وعدہ کرتے ہیں ہم
آزادی سے ڈرتے ہیں ہم

ایک خواب

آج مظلوموں کی خاموشی کا قصّہ پاک ہے
ذرّہ ذرّہ سرزمینِ ہند کا بیباک ہے
آج ہر لب پر تھرکتی ہے صدائے انقلاب
خار و خس میں کروٹیں لیتا ہے پتھریلا شباب
آج شریانوں میں رقصاں ہے بغاوت کا لہو
آج لہراتے ہیں آزادی کے پرچم چار سُو
آج خونیں برچھیوں کو چومتے ہیں نوجواں
پاؤں رکھ کر لوتھڑوں پر گھومتے ہیں نوجواں
آج ہر ایوان شاہی مرکزِ آلام ہے

گورے گورے ہونٹ ہیں اور بیکسی کا جام ہے
آج اُن سہمیں بدن گڑیوں کا دل ناشاد ہے
موت کہتی تھی جنہیں جھک کر کہ کیا ارشاد ہے
آج ہر جانب گلابی گردنوں کے ڈھیر ہیں
اور اُن ڈھیروں پہ رقصاں کالے کالے شیر ہیں
آج وہ مغرور سر ہیں باغیوں کے پاؤں میں
ظلم لیتا تھا جنم جن کی نشیلی چھاؤں میں
آج اُن مخمور آنکھوں سے ٹپکتا ہے لہو
جن کی نظروں میں چھلکتے تھے خم و جام و سبو
آج اُن ہاتھوں کو کاٹا جا رہا ہے ہمنشیں
جو لکھا کرتے تھے ہندی راج کے قابل نہیں
آج اُن ہونٹوں کو تیروں میں پرو دیا جائیگا
جو یہ کہتے تھے غلاموں کو ڈبو یا جائے گا
آج کھینچی جائیگی اُن زر پرستوں کی زباں
جو یہ کہتے تھے میسّر تم کو آزادی کہاں

ارغوانی گوشت کتوں کو کھلایا جائے گا
راستوں میں بھورے بالوں کو بچھایا جائیگا
ریشمیں باہوں کو انگاروں پہ بھونا جائے گا
اور ہر اک بھوک کا بیمار اُن کو کھائے گا
سچ بتا اے ہمنشیں تو کس لئے ناشاد ہے
خواب یہ دیکھا ہے میں نے یا وطن آزاد ہے

دودھ والیوں کا گیت

ہند کی اُجڑی ہوئی بستی بسانے کے لئے
اس زمیں کو آسمانوں سے ملانے کے لئے
جا رہی ہے نوجوانی کارواں در کارواں
بازوؤں میں لے کے طوفاں زلزلے و بجلیاں
راہ میں آنکھیں بچھا دو نوجوانوں کے لئے
دودھ کے دریا بہا دو نوجوانوں کے لئے

ان کے ہاتھوں میں ہے خونیں آندھیوں کی ڈور باگ
کر نہیں سکتی انہیں حیران طیاروں کی آگ
آسماں کو اپنے قدموں پر جھکا سکتے ہیں یہ
مسکرا کر موت سے آنکھیں ملا سکتے ہیں یہ
پھول ہونٹوں سے لٹا دو نوجوانوں کے لئے
دودھ کے دریا بہا دو نوجوانوں کے لئے

غیرتوں پر ہے جوانی جرأتیں بے باک ہیں
عظمتیں غیروں کی کوئی دم میں زیرِ خاک ہیں
آگ کے دریا میں ان کو پیرنا آسان ہے
نوجوانی بھی وطن کی آن پر قربان ہے
اک ذرا گھونگھٹ اٹھا دو نوجوانوں کے لئے
دودھ کا دریا بہا دو نوجوانوں کے لئے!

پھول سے گالوں میں بھر کر طور کے جلووں کی آب
عطر میں ڈوبی ہوئی زلفوں سے سرکا کر نقاب
میکدے لے کر نگاہوں میں جوانوں کے لئے

تم کھڑی ہو جاؤ راہوں میں جوانوں کے لئے
نوجوانی بھی لٹا دو نوجوانوں کے لئے
دودھ کے دریا بہا دو نوجوانوں کے لئے
مرد ہیں طوقِ غلامی توڑ کر لوٹیں گے اب
بھولنے والی سے رشتہ جوڑ کر لوٹیں گے اب
دیکھ سکتے ہیں ہمیں، ہم دن کو خوں رویا کریں؟
اور شب کو غیر کی آغوش میں سویا کریں
کوئی نغمہ گنگنا دو نوجوانوں کے لئے
دودھ کا دریا بہا دو نوجوانوں کے لئے

سسرال

ستم نصیب کو للّٰہ راز داں نہ چھیڑ
مرے شباب کے لٹنے کی داستان نہ چھیڑ
میں کیا کہوں تجھے سسرال کیسی بستی ہے

ہر ایک چیز وہاں سانپ بن کے ڈستی ہے
دلہن کے چہرے سے گھونگھٹ سرک گیا تو گئی
مئے شباب کا ساغر چھلک گیا تو گئی
دلوں پہ برق گرانا وہاں نصیب کہاں
تھرکنا ، ناچنا ، گانا وہاں نصیب کہاں
کوئی کسی سے وہاں مسکرا نہیں سکتا
شباب بھول کے بھی گنگنا نہیں سکتا
وہاں کنویں پہ کوئی چھیڑنے نہیں آتا
گزرتے دیکھ کے اک گیت تک نہیں گاتا
گلی میں کوئی کبھی گھومتے نہیں دیکھا
نشیلی انکھڑیوں پہ جھومتے نہیں دیکھا
نہ دلکشی ہے وہاں پر نہ دلربائی ہے
بس ایک مرد کی سسرال میں خدائی ہے

نیا خدا

سمجھ میں کچھ نہیں آتا یہ کس ڈھب کی خدائی ہے
جوانی بھی یہاں پر آہ مجبورِ گدائی ہے
حسیں چہروں پہ رنج و یاس نے بستی بسائی ہے
لبوں نے بھول کر ہنسنے کی بھی سوگند کھائی ہے
اسی پر ناز ہے تجھ کو یہی تیری خدائی ہے؟
ہوس کی گود میں دوشیزگی اس چاپ سوتی ہے
پرستش کیلئے انسان کی مجبور ہوتی ہے
فلک کی سمت پہروں دیکھتی ہے اور روتی ہے
مگر تیرے کرم کو موت کی سی نیند آئی ہے
اسی پر ناز ہے تجھ کو یہی تیری خدائی ہے؟
نشیلی انکھڑیاں اور آنسوؤں سے تر نظر آئیں
لبِ گلرنگ پر آہوں کے جھرمٹ سیر فرمائیں
گلابی ہاتھ پھولوں کے عوض اینٹوں سے ٹکرائیں

یہ کیا انصاف ہے یہ کیسی شانِ کج ادائی ہے
اسی پر ناز ہے تجھ کو یہی تیری خدائی ہے؟
یہ تو ہی ہے جو مظلوموں کی چیخیں سُن کے گاتا ہے
یتیموں کو بلکتے دیکھتا ہے کھلکھلاتا ہے
جواں بیواؤں کی بیچارگی پر مُسکراتا ہے
سراسر ظلم ہے اے بیوفا یہ بیوفائی ہے
اسی پر ناز ہے تجھ کو یہی تیری خدائی ہے؟
میں اس دنیا پہ اب شمعِ حقیقت لے کے چھاؤنگا
یہ جتنے واہموں کے بت ہیں سب چُن چُن کے ڈھاؤنگا
اور اک اونچی جگہ پر بیٹھ کر مژدہ سناؤں گا
کہ اے اہلِ جہاں اب اک نئے بُت کی خدائی ہے
اسی پر ناز ہے اُس کو یہی اس کی خدائی ہے
وہ بُت جو چاہتا ہے بندہ و آقا برابر ہوں
وہ بُت جو چاہتا ہے حاکم و محکوم ہمسر ہوں

وہ بُت جس نے اخوت کی حسین ندی بہائی تھی
اسی پر ناز ہے اُس کو یہی اُس کی خدائی ہے
جحیم و خلد کا جو بُت کبھی دھوکا نہیں دیتا
خوشامد کا خراج پُر ریا ہرگز نہیں لیتا
لہو کے آنسوؤں میں ظلم کی کشتی نہیں کھیتا
وہ بُت جس نے دلوں میں کیف کی بستی بسائی ہے
اسی پر ناز ہے اُس کو یہی اس کی خدائی ہے

دعوت

(عاشق معشوقہ کو اپنی شادی پر آنے کی دعوت دیتا ہے)

اے مری جانِ تمنّا! کہہ نہیں سکتا ہوں میں
آہ لیکن بن کہے بھی رہ نہیں سکتا ہوں میں
کل جونہی کھولے گی گیسو دوش پر لیلائے شام
ٹوٹ جائیں گے مئے اُلفت کے دو لبریز جام

چاند جب کل کر رہا ہوگا جہاں والوں پہ راج
چھین لیگا تجھ کو میرے ہاتھ سے ظالم سماج
چھوڑ دے گی مجھ کو کل تنہا بصد حرمانؔ و یاس
تیری آنکھوں کی جوانی تیرے ہونٹوں کی مٹھاس
تیری باہیں میری گردن سے خفا ہو جائیں گی
آرزوئیں زندگی کا آسرا ہو جائیں گی
رات کو ترسا کرے گی آنکھ سونے کیلئے
عمر بھر مجبور ہو جاؤنگا رونے کے لئے
یعنی کل دیوار و در پر جب دھندلکا چھائیگا
مجھ کو اک نادیدہ لڑکی سے بیاہا جائیگا
اس قدر ہوگا عزیزوں کو مری راحت کا پاس
خانہ بربادی کو پہنائیں گے شادی کا لباس
اس قدر آئے گی اپنوں کی محبت جوش پر
جائیگا میرا جنازہ حسرتوں کے دوش پر
کل جہاں میں جو بھی میرا ہے یہاں آئیگا وہ

ڈھا سکیگا جس قدر مجھ پر ستم ڈھائے گا وہ

تم بھی میری ہو تمہیں بھی منہ دکھانا چاہیئے
اتنے غیروں میں کوئی اپنا بھی آنا چاہیئے

میں تمہارا ہوں سمجھ لینا نہ بیگانا مجھے
اپنے ہاتھوں سے کفن شادی کا پہنانا مجھے

ہاں مگر آنسو نہ آنکھوں سے کسی صورت بہے
تیرے جیسی کو کوئی ننگِ محبّت کیوں کہے

آہ ہونٹوں پر تیرے آئی اگر اچھا نہیں
عشق والوں کا یہ شیوہ ہے مگر اچھا نہیں

دل یہ کہتا ہے کہ کل تشریف لے آؤ گی تم
اس پریشانی میں مجھ پر رحم فرماؤ گی تم

یہ کون ہے؟

مرے خیال کی بستی بسا رہا ہے کون

یہ کس کی لے نے ہواؤں میں رقص فرمایا
کہ میکدہ میرے ہونٹوں سے آکے ٹکرایا

یہ کس کی آنکھ اٹھی اور اٹھ کے جھک سی گئی
کہ بوتلوں میں شرابوں کی سانس رُک سی گئی

یہ کس کے پاؤں کی آہٹ فضا میں لہرائی
کہ میرے دل میں اُٹھی ہوک لے کے انگڑائی

یہ کس کا ہاتھ میرے ہاتھ سے قریب ہوا
کہ جاگتے میں مجھے اونگھنا نصیب ہوا

یہ کس کے لب پہ تبسم کا نور چمکا ہے
کہ میرا دل میرے سینے سے ہٹ کے دھڑکا ہے

یہ کس نے نیچی نگاہوں سے کچھ کہا مجھ کو
کہ زندگی کا بھروسہ نہیں رہا مجھ کو

یہ کون راتوں کو باجے پہ گیت گاتا ہے
کہ اپنے گھر کا مجھے رستہ بھول جاتا ہے
مرے خیال کی بستی بسا رہا ہے کون

چندہ

بھوکے رہ کر بوجھ اُٹھاؤ   اینٹیں توڑو فرش بناؤ
لیکن ہم کو چندہ دو
رکشا کھینچو دن بھر بھاگو   پہرہ دو اور رات کو جاگو
لیکن ہم کو چندہ دو
صاف کرو زردار کا جوتا   یا بازاری نار کا جوتا
لیکن ہم کو چندہ دو
بچوں کو ٹھیکے پر دے دو   یا خود بک کر چندہ لے دو
لیکن ہم کو چندہ دو
اور نہیں تو غیرت بیچو   گھر والی کی عصمت بیچو

لیکن ہم کو چندہ دو
تم پاگل ہو تم کیا جانو! لیڈر ہیں ہم کہنا مانو

مجبوری

میں چاہتا ہوں میری جان! بھول جاؤں تمہیں
تصورات کی دنیا میں بھی نہ پاؤں تمہیں
میرا خیال بھی ان خلوتوں میں بار نہ پائے
کہ جن کے قرب میں بیمارِ غم کو نیند نہ آئے
تمہارے ہونٹوں کی شیرینیوں سے دُور رہوں
حسیں شباب کی رنگینیوں سے دُور رہوں
مہکتی زلفوں کے سایوں میں گیت گا نہ سکوں
بہکتی آنکھوں سے مے پی کے لڑکھڑا نہ سکوں
مجھے تڑپنے کی عادت سے دشمنی ہو جائے

الم فروش محبت سے دشمنی ہو جائے
تمہاری اٹھتی جوانی نہ یاد آئے مجھے
وہ دردناک کہانی نہ یاد آئے مجھے
تمہارا نام میرے لب سے ہمکنار نہ ہو
مرے شباب کو بیتابیوں سے پیار نہ ہو
تمہاری باتوں کی یادیں نہ بے قرار کریں
نشیلی راتوں کی یادیں نہ بے قرار کریں
مگر سسکتی جوانی کا اعتبار نہیں
خدا گواہ مجھے دل پہ اختیار نہیں

سہیل رقم ڈیرہ کاتباں لاہور

اسی مُصنّف کی دیگر تصنیفات

تصویرِ احساس:- وطنی اور قومی نظموں کا مجموعہ۔ قیمت دو روپے ۲

ریحانہ:- دو محبّت کرنے والے دلوں کی دردناک داستان انارکلی کے بعد یہ ڈرامہ اپنی ادبی خوبیوں کے باعث اردو ادب میں ایک نئے باب کا آغاز ہے۔ قیمت ایک روپیہ چار آنے

تازیانے:- ہندوستان کے ۱۵ نامور افسانہ نویسوں کے بہترین افسانے۔ قیمت ایکروپیہ آٹھ آنے

ملنے کا پتہ:-

لاجپت رائے اینڈ سنز پبلشرز تاجران کتب لاہور

प्रीत के गीत
अल्ताफ़ मशहदी

Preet ke Geet
by
Altaf Mushahedi

ب

۸۹۱۵ ۴۳۱۶

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ لیا جائیگا۔

- 6 DEC 1954

15 SEP 1950

21 OCT 1950
20 NOV 1950

۱۳۶۱۷

ب-۱
ح

۸۹۱۵۴۳

الطاف مشہدی

پریت کے گیت

ورانہ صحاف [illegible]

۲۵/۲ ۵۸ [illegible] ۷ ۔۔۔ ۲

Masood

Bsc 227

5 [illegible]

21 OCT [illegible]

M ji 149 Nas

Kazeen H. 30

M.A (Pre)

[illegible]

۵۔ کتابوں پر کسی قسم کا نشان بنانا [illegible] منع ہے

[illegible] فقط